آج کی آیت

مرکزی شعبۂ تعلیم وتربیت

شائع کردہ

تنظیم اسلامی

دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، ملتان روڈ چوہنگ، لاہور 53800

فون: 78-(042)35473375

ای میل: markaz@tanzeem.org ویب سائٹ: www.tanzeem.org

فہرست

درس نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
	پیش لفظ	3
01	سورۃ البقرۃ: آیت 183	5
02	سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 185	8
03	سورۃ العلق: آیت نمبر 1	11
04	الحجرات: آیت نمبر 1	14
05	سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 208	17
06	سورۃ الحج: آیت نمبر 77	20
07	سورۃ آلِ عمران: آیت نمبر 185	23
08	سورۃ النحل: آیت نمبر 90	26
09	سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 186	29
10	سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 261	33
11	سورۃ التوبہ: آیت نمبر 24	36
12	سورۃ الحجرات: آیت نمبر 2	40
13	سورۃ آلِ عمران: آیت نمبر 110	43
14	سورۃ الحجرات: آیت نمبر 13	47
15	سورۃ الفرقان: آیت نمبر 30	51
16	سورۃ النور: آیت نمبر 19	54
17	سورۃ المؤمنون: آیت نمبر 51	57

درس نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
18	سورۃ التحریم: آیت نمبر 6	60
19	سورۃ الاحزاب: آیت نمبر 21	64
20	سورۃ الحجرات: آیت نمبر 11	68
21	سورۃ العنکبوت: آیت نمبر 69	72
22	سورۃ حم سجدہ: آیت نمبر 33	76
23	سورۃ التوبہ: آیت نمبر 112	80
24	سورۃ التوبہ: آیت نمبر 119	85
25	سورۃ الصّف: آیت نمبر 9	89
26	سورۃ الحج: آیت نمبر 41	93
27	سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: آیت نمبر 7	98
28	سورۃ طٰہٰ: آیت نمبر 82	102
29	سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 286	106

پیش لفظ

امیرِ تنظیمِ اسلامی شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ نے رمضان المبارک 2021ء بمطابق ۱۴۴۲ھ میں "آج کی آیت" کے عنوان سے روزانہ پانچ سے آٹھ منٹ تک کے دروس ریکارڈ کروائے تھے جو انجمن خدام القران سندھ کے یوٹیوب چینل Quran Channel پر اَپ لوڈ[۱] کیے گئے۔ یہ پروگرام یکم تا 29 رمضان المبارک جاری رہا۔ ان لیکچرز میں قرآنِ مجید سے مختلف جگہوں سے اس طرح آیات کا انتخاب کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کی انفرادی واجتماعی ذمہ داریوں کا ایک مکمل اور مربوط[۲] نقشہ سامنے آجائے۔ ان دروس کی افادیت کے پیشِ نظران کو ویڈیوز سے اتار کر تحریری طور پر آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والے ایسے حضرات جو ویڈیوز سے استفادہ[۳] نہیں کر سکتے، وہ بھی ان دروس سے مستفید ہوسکیں۔ رفقاءِ تنظیم اسلامی سے گزارش ہے کہ وہ روزانہ کی بنیاد پر ایک درس کا مطالعہ کریں، اس آیت کو زبانی یاد کریں اور خود بھی اس کے مضامین کو حرزِ جان[۴] بنائیں۔ اپنے گھر والوں، دوست اور احباب کو بھی پڑھ کر یا زبانی اس کے مضامین کی تذکیر[۵] کریں۔ ان آیات میں بیان کردہ ہدایات پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی عمل کی دعوت دیں۔ اس طرح آپ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی ان مضامین سے فائدہ پہنچانے کا باعث بنیں گے۔ ان شاء اللہ اگر ایک ماہ اسی طرح ان دروس سے استفادہ کیا گیا تو رفقائے تنظیم نہ صرف بہت اچھے داعی[۶] بن جائیں گے بلکہ تنظیم اسلامی میں دعوتِ دین کی ایک عمومی کمی بھی دور ہوگی۔ دوسری طرف ان شاء اللہ خود ہماری آخرت بھی سنور جائے گی جو کہ ہمارا اصل نصب العین ہے۔ مزید برآں[۷] اپنی دعاؤں

---

(۱) Upload (۲) مسلسل۔رواں (۳) فائدہ حاصل کرنا (۴) بہت عزیز
(۵) یاددہانی (۶) دعوت دینے والا (۷) اس کے علاوہ

میں اپنے گھرانے اور اپنے والدین کے ساتھ ساتھ امیرِ تنظیمِ اسلامی سمیت ان تمام رفقاء کو بھی یاد رکھیں جنہوں نے ان دروس کو ویڈیوز اور تحریری شکل میں آپ تک پہنچانے میں محنت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

مرکزی شعبۂ تعلیم و تربیت

درس نمبر 01

(سورۃ البقرۃ: آیت 183)

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝١٨٣﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم پر بھی روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ فرض کیا گیا تھا تم سے پہلوں پر تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔“

آج کی منتخب آیتِ کریمہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 183 ہے۔ اللہ رب العالمین نے اس مقام پر ارشاد فرمایا! (يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“ پہلی بات ایمان والوں سے خطاب ہے۔ (اَللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ) کو ماننا ضروری ہے اور اللہ رب العالمین کی ماننا بھی ضروری ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایمان والوں سے خطاب کر کے بہت سارے احکامات عطا فرماتا ہے۔ یہاں حکم ہوا کہ تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ ایک تسلی دی جا رہی ہے کہ روزے کی عبادت مشقت والی تو ہے مگر یہ مشقت تمہارے لئے ہی نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے بھی لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا۔ صیام کا لفظ، صوم کے لفظ سے بنا ہے۔ عرب اپنے گھوڑوں کو استعمال کرتے تھے کہیں لوٹ مار کرنے کے لئے اور کبھی جنگوں کے موقع پر۔ اور ان کی قوت برداشت (Stamina) بڑھانے کے لئے ان کو بھوکا پیاسا رکھتے، تیز آندھی چلتی تو ان کے منہ کو پکڑ کر آندھی کے رخ پر کر دیتے تاکہ وہ ان تھپیڑوں کو برداشت کرنے کے قابل ہوں۔ اس سے ان کی قوتِ مدافعت بڑھاتے تھے اور کہتے تھے کہ (اَلْفَرَسُ صَائِمٌ گھوڑے نے روزہ رکھا ہوا ہے)۔ مجبوراً یہ

ترجمہ کرنا پڑ رہا ہے۔عرب یہ جوصوم کا لفظ اُن گھوڑوں کے لیے استعمال کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے وہی لفظ استعمال کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی روحانی طور پر مضبوط (Strengthen) کرنا چاہتا ہے تا کہ ہماری روحانی ترقی ہو جائے۔ہم جسم کی بجائے روح کی طرف توجہ کرنے والے ہو جائیں۔ ماہِ رمضان میں سرکش شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے روزے کی فرضیت عطا کی جارہی ہے۔میری مرضی نہیں چلے گی بلکہ اللہ کی مرضی چلے گی۔ جب وہ کہہ دے کھانا پینا چھوڑ دو تو چھوڑ دیں گے۔جب کہے کھانا پینا شروع کردو تو روزہ افطار کرلیں گے۔میری نہیں رب کی مرضی چلے گی۔اس صوم (روزے) کا ایک بہت بڑا حاصل یہ ہے کہ ہمارا (Stamina) بڑھے، ہماری طاقت بڑھے، ہماری روحانی ترقی ہو سکے اور آیت کریمہ کے آخر میں روزہ کا مقصد بیان فرمایا" تا کہ تم متقی بن جاؤ"۔تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ اللہ کا خوف اور ڈر، کس بات کا ڈر؟ کہ وہ ناراض نہ ہو جائے، وہ ناراض کس سے ہوتا ہے جو اس کی نافرمانی کرنے لگتا ہے تو تقویٰ کا ایک اور معنی ومفہوم اور ترجمہ یہ بھی ہے کہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا۔روزہ کیا کرتا ہے یہ کہ حلال بھی چھڑوا دیتا ہے، کھانا پینا یہاں تک کہ زوجین کا تعلق بھی چھوڑ دیا جاتا ہے تو اللہ چاہتا ہے کہ ہم کم از کم حرام کو چھوڑنے والے بن جائیں۔ روزہ صرف بھوک اور پیاس کا نام نہیں ہے پورے وجود کا روزہ ہے۔ جیسے حلال کو چھوڑ رہے ہو ویسے حرام کو بھی چھوڑنے والے بن جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس نے صوم یعنی روزہ میں بھی جھوٹ بولنا اور جھوٹی بات پر عمل کرنا ترک نہیں کیا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اب پورے وجود کا روزہ ہے۔آنکھ ہو، کان ہو، زبان ہو یا دل و دماغ، ہاتھ اور پاؤں، گویا تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں لگا دینا ہے۔ یہ ہے روزہ کا ایک بہت بڑا حاصل ہماری روحانی ترقی ہو،روحانی طور پر ہم مضبوط ہوں، نفس کی شرارتوں سے اپنے آپ کو بچانے کے قابل ہوں، شیطان کے حملوں سے

اپنے آپ کو بچانے کے قابل ہوں اور ہم میں تقویٰ پیدا ہو جائے تا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ جہاں ربِّ کائنات نے روزے کی فرضیت کا ذکر کیا وہیں اس کا حاصل بھی بتا دیا "تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے"۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ماہ رمضان کے روزے پورے ذوق وشوق سے رکھنے اور ان روزوں کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حلال چھوڑ رہے ہیں تو حرام کو چھوڑنے والا بھی بنا دے اور اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں میں ہم سب کو شامل فرمائے۔

آمین- یارب العالمین!

درس نمبر 02

سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 185

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
وَ الْفُرْقَانِۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ وَ مَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘ وَ لِتُكْمِلُوا
الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۱۸۵﴾

ترجمہ: ”رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی روشن دلیلوں کے ساتھ۔تو جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے (یا جو شخص بھی اس مہینے میں مقیم ہو) اس پر لازم ہے کہ روزہ رکھے۔اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ تعداد پوری کر لے دوسرے دنوں میں۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا۔تاکہ تم تعداد پوری کرو اور تاکہ تم بڑائی کرو اللہ کی اس پر جو ہدایت اُس نے تمہیں بخشی ہے اور تاکہ تم شکر کرسکو۔“

سورۃ البقرہ آیت نمبر 185 میں رمضان کا تذکرہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے روزے کے حوالے سے کچھ آسانیاں بھی عطا فرمائی ہیں یہاں ان کا بیان ہے اور اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ اللہ نے قرآن کی صورت میں جو عظیم نعمت تمہیں عطا فرمائی اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔سورۃ البقرہ آیت 185 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا! ”رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم نازل کیا گیا“ سارے مہینے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے ہیں۔لیکن قرآن حکیم کی وجہ سے رمضان المبارک سب سے افضل مہینہ ہے۔

یہ قرآن حکیم لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔اس میں ہدایت کی روشن دلیلیں بھی ہیں اور یہ حق و باطل میں فرق کر دینے والا کلام بھی ہے۔قرآن حکیم سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔البتہ یہ ہدایت ملے گی ان لوگوں کو جن میں تقویٰ ہوگا۔جس کا تذکرہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 2 میں آتا ہے (هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ) "متقین کے لئے ہدایت ہے" اس قرآن میں ہدایت کی روشن دلیلیں ہیں۔ زندگی گزارنے کے لیے راہنمائی ہے۔ انفرادی زندگی کے لئے بھی اور اجتماعی زندگی کے لیے بھی۔ یہ الفرقان ہے، حق و باطل میں فرق کر دینے والا کلام ہے۔اگر آج ہم کسی شُبہ میں مبتلا ہیں یا اگر شرور ہم پر حملہ آور ہیں تو کیا معیار ہے کہ صحیح اور غلط میں فرق کر سکیں؟ وہ معیارِ حق خود قرآنِ حکیم فرقانِ حمید ہے۔ پھر روزے کی فرضیت کا بیان بھی آ گیا کہ "پس جو کوئی بھی اس رمضان المبارک کا مہینہ پائے اس پر لازم ہے کہ اس کے روزے رکھے۔"

حدیث میں آتا ہے کہ "جس نے جان بوجھ کر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دیا اب وہ پوری زندگی بھی روزے رکھتا رہے اس کا ازالہ [۱] ممکن نہیں" (مسند احمد)۔ البتہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کچھ رعائتیں بھی عطا ہوئی ہیں۔

"اور جو کوئی بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو تو وہ بعد کے دنوں میں گنتی پوری کرے" بیماری ایسی کہ روزہ رکھنا ممکن نہیں یا سفر در پیش ہو گیا کہ روزہ رکھنا ممکن نہیں یا یوں کہیے کہ خواتین کے مخصوص ایام کا معاملہ ہے تو شریعت میں گنجائش ہے کہ ابھی روزہ نہ رکھا جائے اور بعد میں قضا کر لیا جائے۔ اللہ پاک اپنے بندوں پر آسانی فرمانا چاہتا ہے اور مشکل فرمانا نہیں چاہتا۔ سال بھر کے روزے فرض نہیں بلکہ صرف ایک مہینے کے روزے فرض کئے گئے۔ اس میں بھی یہ روزہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے اور اس میں بھی سفر اور بیماری وغیرہ کی صورتحال میں مزید آسانیاں عطا فرمائی گئیں ہیں "تاکہ تم رمضان المبارک کے روزوں کی گنتی پوری کر لو" اور یہ روزے کیوں رکھوائے

---

(۱) نقصان کا بدل- تلافی

جا رہے ہیں؟ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اللہ نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ یہ گنتی پوری کرائی جا رہی ہے، قرآن جیسی عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کے لیے روزے رکھوائے جا رہے ہیں تا کہ جو کچھ اللہ پاک کی طرف سے عطا ہوا ہے اس کی قدر ہو اور شکر گزاری کے جذبات پیدا ہوں۔ ایک تکبیر تو وہ ہے جو ہم زبان سے کہتے ہیں اللہ اکبر! اور ایک تکبیر عملاً ہے، انفرادی معاملات میں بھی اور اجتماعی معاملات میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل بھی ہو رہا ہو اور ان کا معاشرے میں ان کا نفاذ بھی ہو رہا ہو۔ اللہ پاک ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین – یا رب العالمین!

درس نمبر 03

سورۃ العلق: آیت نمبر 1

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ”اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا فرمایا۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ سورۃ العلق کی پہلی آیت ہے۔ ربِّ کائنات کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات تھیں ان میں سے پہلی آیت کا آج ہم مختصر مطالعہ کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوا سورۃ العلق کی پہلی آیت میں کہ ”پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا“ اس آیت کریمہ میں پہلا لفظ ”اِقۡرَاۡ“ ہے۔ اس آیت کریمہ کے بعد اگلی آیات میں بھی ایک اور مرتبہ ”اِقۡرَا“ کا لفظ آتا ہے۔ ”عَلَّم“ کا لفظ پڑھنے پڑھانے کیلئے بھی آتا ہے اور قلم کا لفظ بھی۔ تو پہلی وحی میں ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے علم کی اہمیت پر زور دیا۔

البتہ آج جو علوم وفنون ہم حاصل کرتے ہیں اکثر و بیشتر اسکول میں، کالج میں، یونیورسٹیز میں، تجربات کیے جاتے ہیں، ریسرچ کی جاتی ہے یہ سب بجا ہے لیکن بنیادی طور پر اللہ رب العالمین نے دو قسم کے علم عطا فرمائے ہیں ایک کو علم الاسماء کہتے ہیں، سورۃ البقرہ آیت نمبر 31 کے مطابق جو آدم علیہ السلام کو عطا ہوا۔ زمین کے وسائل وغیرہ کا علم تاکہ خلافت کا نظام زمین پر قائم کرنے میں آسانی ہو۔ لہذا آدم علیہ السلام کو یہ علمِ خلافت دے کر زمین پر بھیجا گیا تھا۔ اور دوسرا علم ہے علمِ ہدایت یا علمُ الوحی، سورۃُ البقرۃ ہی کی آیت نمبر 38 میں حضرت آدم علیہ السّلام کے ذریعے فرما دیا گیا کہ اے لوگو! جب بھی تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو کوئی بھی ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ اسے کوئی غم

ہو گا اور نہ اسے کوئی خوف ہو گا۔

ایک طرف تو ہیں فزیکل سائینسز اور زمین کے علوم، ان کو دریافت کرنا وغیرہ۔ اور دوسری طرف ہے علمِ ہدایت جو وحی کے ذریعے عطا ہوتا ہے۔ آج ایک آنکھ لوگوں کی بہت کھلی ہوئی ہے بلکہ بہت زیادہ کھل چکی ہے ہم دنیا کی تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مریخ پر جا کر وہاں کی مٹی کی خصوصیات پر ہم اربوں ڈالرز لگائیں گے لیکن دوسری آنکھ جو وحی الٰہی والی ہے وہ بالکل بند ہو چکی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دن ہی اس کی تفصیل ہمیں عطا فرمائی تھی کہ "پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ" رب کا نام علوم وفنون میں سے بھی نکل گیا اور رب کا نام پوری دنیا کے تعلیمی اداروں سے بھی باہر نکل گیا۔ وحی الٰہی کے تابع رہ کر معاملات کو چلانا ہم بھول گئے۔ نتیجہ کیا ہے؟ سو برس پہلے جو ٹیکنالوجی تھی اور آج سو برس بعد جو ٹیکنالوجی ہے کوئی موازنہ اس میں ممکن نہیں مگر سو برس پہلے زندگی کی پیچیدگیاں کم تھی آج زندگی کی پیچیدگیاں بہت زیادہ ہو گئیں سو برس پہلے مسائل کی شدت تھی مگر کم تھی آج شدت بہت بڑھ گئی ہے۔ ٹیکنالوجی تو بہت ترقی کر گئی مگر آج سبھی لوگ تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ کیسی ٹیکنالوجی ہے کہ قریب کے لوگ بہت دور ہو گئے اور دور کے لوگ بظاہر بہت قریب ہو گئے۔ بعض ممالک اتنے ایٹم بم بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ دنیا دس بیس پچیس پچاس مرتبہ تباہ ہو جائے۔

جب تک علم، علمِ وحی کے تابع [۱] نہ ہو، جب تک علوم وفنون علمِ وحی کے تابع نہ ہو جائیں، تب تک انسانیت کو خیر میسر نہیں آ سکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ "پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا"۔ علوم اور فنون جب وحی کے تابع ہوں گے تب ہی خیر انسانیت کو میسر آئے گی ورنہ آپ غور فرما لیجئے دنیا ہو یا پاکستان، چند بڑے بڑے جو فراڈ [۲] ہوئے ہیں ان کی تفصیل نکال لیجیے، یہ کسی جاہل نے نہیں کیے بلکہ پڑھے لکھے لوگوں نے کیے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ پڑھائی لکھائی تو خوب ہو گئی مگر علمِ وحی والی آنکھ اگر

---

(۱) ماتحت (۲) دھوکا-فریب (Fraud)

بند ہے تو انسانیت کو سکون میسر نہیں آ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج زندگی میں مسائل کی شدت اور پیچیدگیاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم علوم وفنون بھی سیکھیں مگر ساتھ ہی ساتھ رب کی وحی کا علم بھی حاصل کیا جائے یعنی قرآن حکیم کا سمجھنا، قرآن حکیم کا ترجمہ، قرآن حکیم کی تشریح۔ میں بنیادی علمِ دین کی بات کر رہا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ احادیثِ مبارکہ کا مطالعہ بھی کرنا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اس کی بھی ترغیب[1] دلائی ہے اور ہمیں تعلیم دی ہے کہ **(طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ)** (ابن ماجہ) "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" یعنی دین کا بنیادی علم، کتاب و سنت کا بنیادی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ جو جو معاملات ہم سے متعلق ہوتے چلے جائیں ان کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔

ہم حساب پڑھ رہے ہیں، انگلش پڑھ رہے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے بہترین ٹیکنالوجی استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ کا کلام اور اس کے نبی ﷺ کی تعلیمات ہمیں سمجھ نہ آئیں اور انہیں سمجھنے کی ہم سرے سے کوئی کوشش ہی نہ کریں تو کل قیامت والے دن اللہ کے ہاں کیا جواب دیں گے۔ لہٰذا اس طرف خصوصی توجہ کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

آمین- یارب العالمین!

---

(۱) شوق

درس نمبر 04

(الحجرات: آیت نمبر 1)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ①

ترجمہ: ”اے اہلِ ایمان مت آگے بڑھو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے یہ قرآن حکیم کے چھبیسویں پارے میں سورۃ الحجرات کی پہلی آیتِ مبارکہ ہے۔ اللہ رب العالمین نے اس مقام پر ارشاد فرمایا ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، بے شک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خوب سننے اور خوب علم رکھنے والا ہے“ ایمان والوں سے خطاب ہو رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔ کس معاملے میں آگے نہ بڑھو؟ اس کا ذکر نہیں آیا ہے۔ مفسرین کرام نے اس کی وجہ میں بیان فرمایا ”زندگی کے تمام امور اور معاملات میں اپنے آپ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رکھو اور اپنے معاملات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے تابع کردو۔“

ایک چلن چل پڑا ہے ہمارے ہاں، میری مرضی، میری مرضی، میری مرضی۔ بندۂ مؤمن سے مطالبہ ہے تیری مرضی نہیں تیرے رب کی مرضی، تیری مرضی نہیں تیرے رسول ﷺ کی تعلیمات کی پیروی، یہ ہے ایک مؤمنانہ طرزِ عمل کہ بندہ اپنے انفرادی معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے آگے نہ بڑھے۔ اور ہم

اجتماعی معاملاتِ زندگی میں بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھیں۔

یہ جو آج ہمارا تصوّر ہے کہ کلمہ پڑھ کر اور نمازیں ادا کر کے مطمئن ہو جاؤ، یہ جو آج ہمارا تصور بن چکا کہ روزوں کا اہتمام کر لیا تو بس کافی ہے، یقیناً یہ بھی بہت بڑے بڑے تقاضے ہیں بہت بڑے بڑے فرائض ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں مگر اس کے بعد اپنے آپ کو فارغ سمجھنا، اپنے آپ کو خوش اور مطمئن رکھنا اور آزادی کے نعرے لگانا، میری مرضی کے نعرے لگانا، یہ مؤمنانہ طرزِ عمل نہیں ہے۔ سورۃ الحجرات کی پہلی آیت یہ بتا رہی ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔

حکومت پاکستان کے پاس آج بھی جو آئین موجود ہے اس میں خوش قسمتی سے لکھا ہوا ہے اس ملک میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے ہے، ہم وہ نعرے نہیں لگا سکتے جو امریکا میں لگائے جاتے ہیں اور ابراہیم لنکن کے بھی الفاظ ہیں وہ کہتا ہے کہ

(Govt. of the people, by the people, for the people)

عوام کی حکمرانی، عوام کے ذریعے کریں گے، عوام کے لیے جبکہ ہم کہتے ہیں کہ نہیں نہیں! حاکم تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ ہمارے ملک پاکستان کے آئین میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوگی۔ یہ جملہ اسی آیت کی ترجمانی کر رہا ہے۔ لیکن کیا ہی اچھا ہو کہ اس آیت کریمہ پر عمل بھی ہو۔

ہمارے معیشت کے معاملات ہوں یا معاشرت کے، عدالت کے ہوں یا سیاست کے، یا پھر ریاست کے، کسی بھی معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ تم کب اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی طرف آؤ گے؟ جب تمہارے دل میں خوفِ خدا ہوگا، کل کی جوابدہی کا احساس ہوگا اور آخرت کی تمہیں فکر ہوگی۔ بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوب سننے والا، خوب علم رکھنے والا ہے۔ یہ ہے وہ تقاضا جس کا زندگی بھر کرنے کا ہم سے مطالبہ ہے۔ انفرادی واجتماعی دونوں سطحوں پر

اپنے معاملات کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع رکھو۔ جو حدود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعین[1] فرما دیں ان کے اندر رہ کر زندگی گزارو۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مجھے آپ کو اور ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین- یارب العالمین!

(۱) مقرر

درس نمبر 05

سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 208

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸﴾

ترجمہ: "اے اہلِ ایمان! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔ اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو۔ وہ تو یقیناً تمہارا بڑا کھلا دشمن ہے۔"

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا ہم نے انتخاب کیا ہے یہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 208 ہے۔ ربِّ کائنات نے اس مقام پر ارشاد فرمایا! "اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" ربِّ کائنات ایمان والوں سے خطاب فرمارہے ہیں اور حکم دے رہے ہیں کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ اللہ ربُّ العالمین نے یہ دین، دین کامل کے طور پر میرے اور آپ کے لیے عطا فرمایا، اس دین کو مکمل فرما دیا۔ زندگی کے تمام گوشوں کے لیے دینِ اسلام راہنمائی عطا فرماتا ہے۔

انگریزی کا ایک لفظ ہے (Religion) جو دنیا کے مختلف مذاہب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ مذہب (Religion) کا تصور محض انفرادی زندگی کے چند معاملات تک محدود ہے۔ جبکہ دین جو عربی زبان کا لفظ ہے قرآن حکیم نے اس کو استعمال فرمایا ہے، جس کا مطلب ہے ضابطہ حیات (System of Life)۔ تو اسلام محض مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ اسلام فقط زندگی کے چند انفرادی معاملات ہی کے لیے راہنمائی عطا نہیں کرتا بلکہ زندگی کے تمام گوشوں کے لیے اور اجتماعی معاملات کے لیے بھی کامل راہنمائی عطا فرماتا ہے۔

دینِ اسلام ایمانیات بھی سکھاتا ہے، دینِ اسلام عبادات بھی سکھاتا ہے، دینِ اسلام اخلاقیات اور معاملات کے لیے بھی راہنمائی عطا کرتا ہے، دینِ اسلام حقوق العباد کی بات بھی کرتا ہے، دینِ اسلام حقوق اللہ کی بات بھی کرتا ہے، دینِ اسلام نکاح اور گھر گرہستی کے معاملات کے لیے بھی راہنمائی دیتا ہے، دینِ اسلام خوشی اور غمی کے لیے بھی راہنمائی دیتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا اور یہ دینِ اسلام معیشت کے لیے، معاشرت کے لیے، عدالت کے لیے، ریاست کے لیے اور بین الاقوامی امور کے لیے الغرض زندگی کے تمام گوشوں کے لیے بہترین راہنمائی فراہم کرتا ہے۔

البتہ یہ راہنمائی فقط اس لیے عطا نہیں کی گئی کہ اس کو پڑھ لیا جائے، سمجھ لیا جائے، لکھ لیا جائے، چھاپ دیا جائے، بیان کر لیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دینِ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ جس کے لیے انفرادی زندگی کے معاملات میں تو فوری عمل کرنا ضروری ہے۔ نماز کا حکم ہے، زکوٰۃ کا حکم ہے، ماں باپ کا ادب کرنا، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا وغیرہ پر تو فوری عمل کا تقاضا ہے۔ اسی طرح جھوٹ سے، غیبت سے فوری طور پر آدمی اپنے آپ کو بچائے۔ لیکن زندگی کے اجتماعی معاملات میں سے منکرات کو ختم کرنے کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے مثلاً سُود کا دھندا اور سودی نظام ختم ہونا چاہیے، بے حیائی کا طوفان ختم ہونا چاہیے، عدالت میں فیصلے بندوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق نہیں، انگریز کے کالے قوانین کے مطابق نہیں بلکہ رب کی عطا کردہ شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں۔ معیشت کے معاملات ہوں تو وہاں سے حرام کا خاتمہ کیا جائے۔ سیاست کے معاملات ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم اور نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔

یہ زندگی کے تمام امور کے لیے تقاضا کیا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ اگر پورے اسلام کی فکر نہیں کی جا رہی، اگر پورے اسلام کی بات نہیں کی جا رہی، اگر

پورے اسلام پر عمل کی کوشش نہیں کی جارہی، اگر دین کے نفاذ کی جدوجہد نہیں کی جارہی تو پھر شیطان کی پیروی ہورہی ہوگی۔ کیوں؟ کیونکہ دنیا میں دعوتیں دو ہی ہیں ایک طرف رحمٰن کی دعوت ہے اور دوسری طرف شیطان کی دعوت، اسی طرح دنیا میں پارٹیاں بھی دو ہیں۔ سورۃ المجادلہ اٹھائیسویں پارے کی پہلی سورۃ مبارکہ ہے۔ اس میں ذکر آتا ہے کہ ایک حزب اللہ ہے اور دوسری حزب الشیطان ہے۔ ایک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی پارٹی اور جماعت ہے اور دوسری شیطان کی پارٹی اور جماعت ہے۔ تو اگر اللہ کے دین پر عمل نہیں ہورہا تو پھر لازماً شیطان کے نقش قدم کی پیروی ہورہی ہوگی اور اس کی پیروی کرنے والے کے بارے میں قرآن حکیم راہنمائی بیان فرماتا ہے کہ وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ شیطان بھی اور اس کی پیروی کرنے والے بھی۔ اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ پورے کے پورے دین پر عمل کے لیے دین کو سیکھنا اور اس کو انفرادی سطح پر فوری عمل میں لانا، دین کی دعوت کے لیے محنت کرنا اور دین کے قیام و نفاذ کی جدوجہد کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔ اللہ پاک ہمیں شیطان کے حملوں سے بچائے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں پورے کے پورے دین میں داخل ہونے، عمل کرنے، دین کے راستے میں جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین- یارب العالمین!

درس نمبر 06

(سورۃ الحج: آیت نمبر 77)

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۩ (۷۷)

ترجمہ: "اے ایمان کے دعوے دارو! جھک جاؤ اور سر بسجود ہو جاؤ اور اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو تا کہ تم فلاح پاؤ!"

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا ہے یہ قرآن حکیم کے سترھویں پارے میں سورۃ الحج کی آیت نمبر 77 ہے جہاں اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: "اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، رکوع کرو سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو تا کہ تم فلاح پا سکو" اللہ رب العالمین ایمان والوں سے خطاب فرما رہے ہیں اور ارشاد ہو رہا ہے کہ رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ اکثر مفسرین نے اس سے یہی مراد لی ہے کہ یہاں نماز کا ذکر کیا جا رہا ہے اور کبھی کبھی نماز کے ارکان میں سے کوئی رکن بیان کر کے نماز مراد لی جاتی ہے۔ رکوع بھی نماز کا رکن اور حصہ ہے۔ سجدہ بھی نماز کا رکن اور حصہ ہے۔ تو رکوع اور سجدے کا ذکر فرما کر گویا نماز کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہر چند گھنٹوں بعد ہمارے ایمان کا ٹیسٹ ہو رہا ہوتا ہے۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ (۱) کی پکار لگتی ہے، اَللّٰهُ اَكْبَرُ (۲) کی پکار لگتی ہے کہ بندہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے حکم پر لَبَّیْكَ (۳) کہتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے یا نہیں، یہ بہت بڑا تقاضا ہے اور ہر چند گھنٹوں بعد یہ ٹیسٹ (امتحان) ہو رہا ہے۔ ہم اللہ کو تو مانتے ہیں، کیا اللہ کی بھی مانتے ہیں؟ نماز کی طرف اٹھتے ہوئے قدم بتا دیں گے کہ جی ہاں! ہم اللہ کی بھی مانتے ہیں۔ اذان سننے کے باوجود بیٹھے ہوئے افراد، نمازوں کو ضائع کرنے والے کیا کہہ رہے

(۱) آؤ نماز کی طرف (۲) اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے (۳) میں حاضر ہوں

ہیں اپنے طرزِ عمل سے؟ کہ ہم اللہ کی نہیں مانتے، استغفر اللہ! لہٰذا اللہ تعالیٰ کو بھی ماننا ہے اور اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی بھی ہر بات مان کر عمل کی بھی کوشش کرنی ہے۔ اور نماز ہر چند گھنٹوں بعد اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو مبارک حدیث ہے طبرانی شریف میں، اس کا حاصل بھی یہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہوگا۔ یہ درست ہوگی تو باقی معاملات درست ہوں گے۔ نماز میں اگر کمی کوتاہی کا معاملہ ہوا تو باقی معاملات بھی خراب ہو جائیں گے۔ سورۃ المدثر کی آیت نمبر 42 اور 43 میں ذکر آتا ہے کہ جنت والے جہنم والوں سے سوال کریں گے۔ کیا شے تمہیں جہنم میں لے گئی؟ جہنم والوں کا پہلا جواب ہو گا کہ (لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ) ہم نماز ادا کرنے والے نہیں تھے۔ اللہ پاک ہمیں تمام نمازوں کی پابندی کرنے اور ساری زندگی انہیں وقت پر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نماز کے بعد فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو، اللہ ہمارا رب ہے، خالق بھی، مالک بھی اور پالن ہار بھی پرورش کرنے والا اور بے شمار نعمتیں عطا فرمانے والا بھی۔ وہ رب اپنی عبادت کا ہم سے تقاضا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذّٰریٰت کی آیت نمبر 56 میں ہماری زندگی کا یہی مقصد بیان فرمایا ہے (وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمام جنّات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے تو زندگی عبادت کے لیے ہے۔ پوری زندگی میں مقصود کیا ہے؟ کہ ہم واقعی اللہ کے بندے بنیں، کیونکہ اللہ ہمارا معبودِ حقیقی ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ رکوع وسجود میں نماز کا ذکر آ گیا وہ بیان الگ ہے اور رب کی عبادت کرو یہ بیان الگ ہے، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تقاضا صرف نماز تک یا چند ارکانِ اسلام نماز، زکوۃ، روزہ و حج تک محدود نہیں، یہ تو بڑے بڑے ستون Pillars ہیں، ارکانِ اسلام ہیں، ہمیں پورے اسلام پر عمل کرنا ہے اور پوری زندگی میں اللہ کی بندگی کرنی ہے کیونکہ وہ چوبیس گھنٹے ہمارا معبود ہے۔ جس میں ہمارے انفرادی معمولات اور اجتماعی معمولاتِ

زندگی بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد یہ بات فرمائی جارہی ہے کہ ”اور خیر کے کام کرو“ اس سے مراد بھلائی کے کام لیے گئے، اس سے مراد انسانی ہمدردی کے کام، بندوں کے کام آنا، بندوں کے ساتھ بھلا سلوک کرنا، بندوں کی حاجات کو پورا کرنے کی کوشش کرنا یہ سب اس میں شامل ہے۔

بندوں کی سب سے بڑی حاجت کیا ہے؟ یہ کہ انہیں جہنم سے بچانے کی فکر کی جائے، لہذا! انہیں اللہ کی طرف بلانا اور اللہ کے دین سے جوڑنے کی کوشش کرنا یہ سب بھلائی کے کام ہیں۔ حقوق اللہ بھی ادا کرنے کا حکم ہے اور حقوق العباد ادا کرنے کا بھی حکم ہے، اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا! ” تاکہ تم فلاح پاسکو“ کون سی فلاح؟ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ اگر دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی درکار ہے تو نماز کی بھی، ارکان اسلام کی پابندی بھی، پوری زندگی میں اللہ کے بندگی بھی، مخلوقِ خدا کی خدمت کی کوشش بھی کرنا ہوگی، یہ ایک مکمل پیکج ہے جو بتایا جارہا ہے کہ اگر تم یہ تمام اعمال کروگے تو تم فلاح پاسکو گے۔ اللہ پاک فوز و فلاح پانے والوں میں ہم سب کو شامل فرمائے۔

آمین – یارب العالمین!

درس نمبر 07

سورۃ آلِ عمران: آیت نمبر 185

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾﴾

ترجمہ: ”ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ تو قیامت ہی کے دن دیا جائے گا۔ تو جو کوئی بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا۔ اور یہ دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا سامان ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا ہے وہ سورۃ آل عمران کی آیت 185 ہے۔ اللہ رب العالمین نے یہاں ارشاد فرمایا!” ہر نفس (جان) کو موت کا مزہ چکھنا ہے یہ چار الفاظ ہیں (کُلّ ،نفس، ذائقہ، موت)۔ اس دنیا میں ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اس دنیا میں اللہ کے ماننے والے ہوں یا اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے والے، سب موت کو تو مانتے ہیں۔ مسلمان بھی اور کافر بھی۔

بہت بڑا سوال ہے کیا میں اور آپ موت کے لیے تیار ہیں؟ موت چھوٹے بچوں کو بھی آتی ہے، جوانوں کو بھی آتی ہے اور بڑھاپے میں بھی آتی ہے اور ضرور آ کر ہی رہے گی تو کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں؟ اس آیت کریمہ کا اگلا حصہ ہے کہ ”اور تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ تمہیں قیامت کے دن دے دیا جائے گا“۔ یہ ہے اصل معاملہ! دنیا عمل کا میدان ہے۔ اور آخرت نتائج کا موقع، جو کر رہے ہو سب پیش ہونے والا ہے۔ خیر کا عمل ہو یا شر کا، سب کچھ بارگاہ تعالیٰ میں پیش ہونے والا ہے۔ باطن میں کیا نیّتیں تھیں

زبان پر کیا الفاظ تھے اور اپنے وجود سے کیا اعمال تم نے سرانجام دیئے؟ سب کا پورا پورا بدلہ کل قیامت کے دن چکا دیا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ "پس جو جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، پس یقیناً وہ کامیاب ہوا" یہ ہے اصل کامیابی اور ناکامی کا معیار جو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بیان فرما رہا ہے۔

لوگوں کے تو بہت سے معیارات ہیں، یہ کامیاب ہو گیا، یہ ناکام ہو گیا، اس نے موقع Opportunity سے فائدہ اٹھا لیا، یہ بیچارا مِس (Miss) کر گیا اور دو چار فُٹ نیچے زمین میں گئے تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ ہمیں بندوں کو جواب نہیں دینا بلکہ بندوں کے رب کو جواب دینا ہے۔ اور رب نے معیار کیا بیان فرمایا! کامیاب کون ہیں؟ "پس جو جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، پس یقیناً وہ کامیاب ہوا" یہ ہے اصل کامیابی اور اصل ناکامی کا معیار۔ ہم تنہائی میں بیٹھ کر سوچیں! ہم جہنم کے بارے میں کتنے فکرمند ہیں کہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہوں اور ہم جنت کا کتنا شوق رکھتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ میں اور آپ اللہ تعالیٰ سے جنّت کا سوال دن میں کتنی مرتبہ کرتے ہیں اور جہنم سے بچنے کے حوالے سے سوال کتنی مرتبہ کرتے ہیں اور مزید یہ کہ محض دعا کرنا کافی نہیں ہے، فقط سوال کرنا کافی نہیں ہے عمل اور محنت بھی ضروری ہے۔ اس آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا! کہ "اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں ہے"۔ ایک چھوٹا سا بچہ رنگ برنگی پنسلوں کو دیکھ کر بڑا خوش ہوتا ہے اور اگر کوئی چھین لے تو چیختا چلاتا ہے۔ یہی دو سال کا بچہ جب بارہ سال کا ہو جائے تو رنگ برنگی پنسلوں کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے کیونکہ اس وقت اس کی نگاہوں میں اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔

آج ہم دنیا کو بہت کچھ سمجھ رہے ہیں جب قیامت کے دن میدان حشر میں کھڑے ہوں گے تو اس دنیا کی زندگی کی کوئی حیثیت ہمارے سامنے نہیں ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا! "اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کے مال و اسباب کی

حیثیت مچھر کے ”پَر“ کے برابر بھی ہوتی تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا“۔ یہ دنیا اور اس کا مال ومتاع تو اللہ پاک نے عارضی طور پر برتنے کو ہمیں دیا ہے اور یہ دنیا تو دارالعمل (امتحان گاہ) ہے، یہاں ایک وقتِ مقررہ تک کی مہلت اور عمل کرنے کی آزادی ہے۔ اصل تو آخرت کی زندگی ہے اور قرآن حکیم کہتا ہے کہ آخرت کی زندگی تو ہمیشہ رہنے والی ہے اور دنیا کے بارے میں کیا کہہ رہا ہے قرآن کریم اس مقام پر!”اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں ہے“ یہاں بادشاہ ہو بڑے سے بڑا، دو فٹ نیچے جائے گا تو ساتھ نہ محل جائے گا نہ تخت اس کے ساتھ جائے گا۔ یا پھر کوئی غریب ہو، مقروض ہو جب قبر میں چلا جائے گا تو دنیا کا مسئلہ تو بظاہر ختم ہو جائے گا لیکن اصل مسئلہ کہاں کا ہے؟ وہ اصل مسئلہ آخرت کا ہے۔ سورۂ آل عمران کی یہ آیت مبارکہ بتا رہی ہے کہ ہر ذی نفس کو موت آنے والی ہے اور قیامت والے دن اس دنیا میں کیے جانے والے اعمال کا پورا پورا بدلہ (اچھا یا برا) تمہارا منتظر ہے۔ اصل کامیابی اس کی ہے جو جہنم سے بچا لیا گیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ باقی رہی یہ دنیا! تو یہ دنیا تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن ہاں! اس دنیاوی زندگی کی ایک اہمیت ہے اور وہ یہ کل کی، آخرت کی، ہمیشہ کی زندگی کی تیاری کا موقع اور مہلت اس دنیا میں ہے۔ بس اس اعتبار سے دنیا کی اہمیت ہے ورنہ یہ دھوکے کا سامان ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی فکر عطا فرمائے۔

آمین – یارب العالمین!

درس نمبر 08

سورۃ النحل: آیت نمبر 90

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝٩٠﴾

ترجمہ: "یقیناً اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا اور قرابت داروں کو (ان کے حقوق) ادا کرنے کا اور وہ روکتا ہے بے حیائی، برائی اور سرکشی سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔"

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا ہے وہ قرآن حکیم میں سورۃ النحل کی آیت نمبر 90 ہے۔ جمعہ کے خطبات میں بھی اکثر ائمہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ بہت پیاری اور جامع آیت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے تین کاموں کے کرنے کا حکم دیا اور تین باتوں سے منع فرمایا۔ اور ان باتوں میں بہت اہم معاشرتی ہدایات دی گئی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے عدل کرنے کا اور احسان کرنے کا اور رشتہ داروں کو حق ادا کرنے کا" ان تین باتوں کو اللہ تعالیٰ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔

سب سے پہلا حکم اس آیت مبارکہ میں ہے عدل کرنا! "عدل" ہمارے دین کی بہت ہی اہم تعلیم ہے اور اس کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ جس کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو دیا جائے۔ یہ عدل اولاد میں بھی مطلوب ہے، یہ عدل اپنے سٹاف (ملازمین) میں بھی مطلوب ہے، اگر ایک سے زائد کسی کے نکاح ہوں تو وہاں بھی مطلوب ہے، اور جو کسی کا حق بنتا ہے وہ اس کے حوالے کر دینا یہ بھی عدل کا تقاضا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قانون کا بھی تقاضا ہے اور معاشرے کے اندر قانون کی پاسداری ضروری ہوا کرتی ہے۔ البتہ بالاتر قانون وہ ہے جو وحی کی تعلیم کے ذریعے قرآن وسنت کی روشنی میں عطا کیا گیا ہے۔

دوسرا حکم ہے "اور اللہ احسان کا حکم دیتا ہے" احسان کا لفظ حسن سے بنا ہے یعنی ہر ہر معاملے میں عمدگی کا رویہ اختیار کرنا جیسا کہ آپ ﷺ کی سکھائی گئی فرض نمازوں کے بعد سکھائی گئی پیاری سی ایک مسنون دُعا میں اس کا تذکرہ آتا ہے کہ (اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ) (ابوداؤد۔ راوی حضرت معاذ بن جبل ؓ) "اے اللہ! میری مدد فرما اپنے ذکر کے لیے، اور اپنے شکر کے لیے اور اپنی عمدہ (حسین) عبادت کے لیے" البتہ یہاں اس کی ایک اور پہلو سے بھی ترجمانی کی گئی ہے کہ عدل قانون کا تقاضا ہے۔ قانون اس کے لیے بنیاد بنتا ہے جبکہ "احسان" اخلاقی رویہ ہے۔ مثلاً ایک شخص سے ہم نے معاملہ طے کیا اور اس سے کہا کہ تم یہ کام کردو تو اس کے بدلہ میں ایک ہزار روپے تمہارا معاوضہ ہوگا، اس نے کام کیا اور اچھے اور احسن انداز سے کیا تو قانون کے مطابق تو ایک ہزار روپے اسے دے دیئے جائیں لیکن آپ نے اس کے کام سے خوش ہو کر گیارہ سو روپے دے دیئے، یہ اضافی ایک سو روپیہ احسان کے زمرے میں آئے گا نہ کہ قانون کے۔ یہ ہے فیاضی والا رویہ، عمدہ اخلاق والا رویہ۔

اب اس کے بعد تیسری ہدایت ہمارے سامنے آرہی ہے "اور اللہ حکم دیتا ہے رشتہ داروں کو ان کا حق دینے کا" یعنی آج تمہارے رشتہ دار اگر کسی مصیبت اور تکلیف میں ہیں اور تم ان کے کسی کام آرہے ہو تو یہ کوئی احسان نہیں کر رہے ہو بلکہ تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو اور اس کا حق ادا کر رہے ہو۔ اب ذرا ترتیب دیکھیے! عدل، قانون کیا ہے کہ! ہزار روپیہ طے کیا ہزار روپے ادا کر دیئے جبکہ احسان یہ ہے کہ ایک ہزار روپے طے کیے اور گیارہ سو ادا کر دیئے، یہ تو ہے مزدوری اور احسان کا معاملہ۔ اور ایک ہے رشتے دار کا معاملہ، اپنا فرض جانو اور آگے بڑھ کر اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی کوشش کرو۔ یہ تین احکامات ہیں جن کو کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ معاشرہ اگر ان خطوط پر استوار ہو تو کس قدر خوبصورت معاشرے ہوں گے، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اب تین باتوں سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ "اللہ تعالیٰ بے حیائی سے منع فرماتا ہے" تو جان

لیجیے رحمان کی دعوت کیا ہے کہ بے حیائی کو چھوڑ دو جبکہ شیطان کی دعوت کیا ہے؟ سورۃُ البقرۃ (آیت نمبر: 169) میں ذکر آتا ہے کہ (يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ) (البقرہ:169) "وہ بے حیائی اور برے کاموں کی دعوت دیتا ہے" اور بے حیائی کے ذیل میں سادہ سی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فطری جذبہ انسان میں رکھا اور اس کی تکمیل کے لیے نکاح کے پاکیزہ بندھن کی تلقین فرمائی۔ اب جو اس پاکیزہ بندھن کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے تو وہ راستہ زنا کی طرف لے جائے گا۔ اب وہ سارے اُمور جو زنا کی طرف اور ناجائز تعلقات کی طرف لے کر جانے والے ہیں وہ سب بے حیائی میں شامل ہیں۔ مثلاً بے پردگی ہو یا فلمیں اور ڈرامے ہوں، ناچ گانے ہوں یا عورتوں کو بے پردہ بنا کر پیش کیا جانا ہو، یہ سب لہو ولعب اس بے حیائی میں داخل ہیں جبکہ اللہ کا فرمان یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں روکتا ہے بے حیائی کے کاموں سے" اور اللہ پاک تمہیں منع فرماتا ہے "منکر سے" منکر ایسی شے کو کہتے ہیں جسے فطرتِ انسانی بھی ناپسند کرتی ہو اور شریعت بھی منع کرتی ہو۔ وعدہ خلافی کا معاملہ ہو یا جھوٹ کا معاملہ، دوسروں کا مال ہڑپ کر جانے کا معاملہ ہو یا ایسے منکرات کا جس سے دین بھی منع فرماتا ہے۔ ان سب باتوں سے رُکنے اور انہیں چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور تیسری بات جس سے منع فرمایا گیا کہ (وَالْبَغْيِ) "اور اللہ تعالیٰ سرکشی سے تمہیں منع فرماتا ہے" سرکشی، زیادتی، حقوق العباد کو پامال کرنا، بندوں کے ساتھ زیادتی کرنا، ان پر ظلم و ستم کرنا، یہ سب سرکشی میں شامل ہے۔ تو اللہ پاک بے حیائی سے، مُنکَر سے اور سرکشی کے کاموں سے منع فرماتا ہے۔ اور آیت کے آخر میں فرمایا! (يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ) "اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم دھیان دو" اور ان تمام تعلیمات پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ ان ہدایات پر مجھے، آپ کو اور ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے معاشروں کو بھی بہترین معاشرے بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین – یارب العالمین!

درس نمبر 09

سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 186

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾﴾

ترجمہ: "اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (ان کو بتا دیجیے کہ) میں قریب ہوں۔ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی (اور جہاں بھی) وہ مجھے پکارے پس انہیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ صحیح راہ پر رہیں۔"

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 186 ہے۔ رمضان اور رمضان کے روزوں کے بارے میں جو کچھ قرآن حکیم میں بیان ہوا وہ اسی مقام پر سورۃ البقرہ کے تیئسویں رکوع میں ہے۔ اس تناظر (۱) میں یہ بڑی اہم آیتِ کریمہ ہے۔ اس آیت میں تین اہم باتوں کا تذکرہ ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 186 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ" اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں" اللہ اکبر! حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے ہمیں راہنمائی فراہم کی جارہی ہے کہ بے شک اللہ قریب ہے۔

چھبیسویں پارے، سورۃ "ق" کی آیت نمبر 16 میں ارشاد ربانی ہے کہ (نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ) "ہم تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں"۔ یہ قُربِ اللہ کی شان کے مطابق ہوتا ہے۔ جب جب دُعا کرنے والا مجھ سے دُعا کرتا ہے میں اس کی دُعا کو قبول کرتا ہوں۔ یہ گارنٹی ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرمارہا

(۱) منظر-حالت

ہے کہ جب جب بھی مجھے پکارو گے، جب جب مُجھ سے مانگو گے، جب جب مجھ سے سوال کرو گے، میں تمہاری پکار سنوں گا، تمہاری پکار کا جواب دوں گا اور تمہاری دُعا قبول کروں گا البتہ آگے ایک شرط آ رہی ہے جسے اکثر و بیشتر فراموش کر دیا جاتا ہے وہ شرط کیا ہے؟ "پس انہیں بھی تو چاہیے کہ بس میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ ہدایت پائیں"۔

ہم چاہتے ہیں اللہ پاک ہماری سن لے تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے میری بھی تو مانو! جیسے کہ قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 152 میں ارشاد ہوتا ہے (فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ) پس تم جب میرا ذکر کرو گے تو میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔ تو یہاں بتایا جا رہا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرمائے، تمہاری پکار کو سن لے تو تم بھی اللہ رب العالمین کے احکامات پر عمل کرو۔ ایک طرف تو اللہ کے قرب کا بیان آ رہا ہے کہ وہ ہم سے بہت زیادہ قریب ہے رمضان کے روزے ہوں یا نفل روزے، روزے کا ایک بہت بڑا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ہماری روح بیدار ہوتی ہے اور اس روح میں اللہ رب العالمین سے ملاپ کی ایک خواہش (Urge) پیدا ہوتی ہے۔ روزے کے نتیجے میں بندہ بھوکا پیاسا رہتا ہے تو مادی جسم کمزور اور روح طاقتور ہوتی ہے اور اللہ کی طرف توجہ بڑھتی ہے۔ یہ روزے کا حاصل بھی ہے اور عموم کے اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ تو ہم سے بہت قریب ہے۔ یہ تو ہم ہیں جو کوتاہی کر بیٹھتے ہیں، لاپرواہی کر بیٹھتے ہیں، غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اپنے خالق و مالک کو بھلا دیتے ہیں جبکہ اس کی شان تو ہے (لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ) (سورۃ البقرۃ:255) کہ "اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ" ہر آن ہر دم اللہ تعالیٰ کی توجہ بندوں کی طرف رہتی ہے تبھی تو آپ کی اور میری زندگی برقرار ہے۔ تبھی تو آپ کے اور میرے وجود کے اعضاء اپنا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جب جب تم مجھے پکارو گے میں تمہاری پکار کو سنوں گا۔

ایک حدیث مبارک میں ذکر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دعا کی قبولیت کی

مختلف کیفیات بیان فرمائی ہیں۔ بندہ کچھ مانگتا ہے اللہ کی مشیت میں وہ بات بندے کے لیے بہتر ہوتی ہے اللہ پاک وہی عطا فرما دیتا ہے۔کبھی بندہ کچھ ایسی شے مانگ لیتا ہے جو بندے کے لیے اچھی نہیں ہوتی یا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق بندے کے لیے مفید نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ وہ شے تو نہیں دیتا البتہ کسی تکلیف کو، مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ کچھ بھی نہ ہو اور اس دعا کا ذخیرہ کر لیا جائے آخرت کے لیے اور حدیث مبارک میں آتا ہے کہ جب قیامت کے دن ڈھیروں اجر بندوں کو عطا ہوگا تو بندے کہیں گے یا اللہ! یہ کیا ہے؟ اللہ فرمائے گا یہ تمہاری وہ دعائیں ہیں جو دنیا میں قبول نہیں ہوئیں تھیں، اس وقت بندہ تمنا کرے گا کہ کاش! ایک بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی سب کا اجر مجھے آخرت میں ذخیرے کے طور پر مل جاتا۔معلوم ہوا کہ اللہ کو پکارنے والا، اللہ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔قرآن حکیم میں زکریا علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ الفاظ ہمیں ملتے ہیں کہ ﴿وَلَمۡ أَكُنۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيّٗا﴾ (سورۃ مریم:4) اے میرے رب تجھ سے مانگ کر، تجھ سے دعا کر کے، تجھے پکار کر میں کبھی بھی محروم نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ تو دعاؤں کو قبول فرماتا ہے وہ گارنٹی عطا فرما رہا ہے۔ البتہ ایک بڑی اہم شرط ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ بندے میرا حکم تو مانیں! یہ ہے اہم بات، اللہ کی نافرمانیاں ہوں، گناہوں میں بندہ مبتلا ہو، حرام مال وجود میں جا رہا ہو، حرام کاموں میں بندہ مبتلا ہو تو کیسے اس کی دعا قبول ہوگی۔ حدیث میں ذکر آتا ہے بندہ دور دراز سے سفر کر کے حرم میں آئے۔ مفسرین اور شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ وہ کعبے کا غلاف بھی پکڑ لے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا کرے۔ اس کے چہرے پر مٹی، سر میں مٹی اور بالوں میں مٹی ہو، دور دراز کا سفر کر کے آیا ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی، اس کا کھانا حرام کا، پینا حرام کا، پرورش حرام سے ہوئی، غذا اس کی حرام، کیسے اس کی دعا قبول ہوگی۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میں تمہاری دعا قبول کروں گا لیکن تمہیں بھی تو چاہیے کہ تم میرا حکم مانو اور مجھ پر (دل سے) ایمان رکھو۔

سب کچھ ہونے کا یقین اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات سے ہو کہ نفع ونقصان کا کُل اختیار اللہ کے پاس ہے۔ ہم کمزور ہیں اللہ تو طاقتور ہے۔ ہمارا فہم کم ہے۔ اللہ کی عطا بہت بڑی، اس کی شان بہت بُلند ہے۔ اس کا یقین رکھتے ہوئے مانگنا چاہیے تاکہ ہم ہدایت پائیں۔ یہ ہے جو دعا کے بارے میں اللہ رب العالمین ہم سے اظہار فرما رہا ہے کہ میں دعاؤں کو قبول کرتا ہوں لیکن تم بھی میرا حکم مانو اور مجھ پر ایمان رکھو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو مانگنے والا بنائے اور تمام گناہوں سے بچتے ہوئے تقویٰ والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے جو بندہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا نہیں ہے اور اللہ سے نہ مانگنا اِستکبار ہے۔ لہذا اتنا مانگیں جیسا کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے جامع ترمذی شریف کی روایت میں کہ ”جوتے کا تسمہ بھی مانگنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو“۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ سے زیادہ دعاؤں کا مانگنے والا بنائے اور گناہوں سے بچنے والا بنائے۔

آمین۔ یارب العالمین!

درس نمبر 10

سورۃ البقرۃ: کی آیت نمبر 261

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۶۱﴾

ترجمہ: ”مثال ان کی جو اپنے مال اللہ کی راہ میں (اللہ کے دین کے لیے) خرچ کرتے ہیں ایسے ہے جیسے ایک دانہ کہ اُس سے سات بالیاں (خوشے) پیدا ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے“۔

آج کی آیت کریمہ کے حوالے سے جس آیت مبارکہ کا انتخاب کیا ہے وہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 261 ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں خرچ کرنے کے اجر و ثواب کا ذکر فرما رہے ہیں۔ ارشاد ہوا! ”ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک ایسے دانے کی مانند ہے جس سے سات بالیاں اُگ آئیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اجر کئی گنا زیادہ بڑھا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وُسعت والا اور خوب علم رکھنے والا ہے“ یعنی اگر کسی مؤمن نے ایک دانہ کسی کو دیا ہو تو اس سے سات بالیاں اُگ آئیں اور ہر ہر بالی میں سو سو دانے ہوں تو کتنا ہو گیا؟ سات سو گنا ہو گیا۔ ساری دنیا کے کاروباری ادارے مل کر بھی اتنی پر کشش پیشکش نہیں کر سکتے ہیں۔ یعنی (700 گنا) اللہ تعالیٰ اجر کو بڑھا دیتا ہے۔ آگے ارشاد ہوا! ”اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اجر اور بڑھا دیتا ہے“ سات سو سے بھی زائد اللہ تعالیٰ چاہے گا جس کو عطا فرمائے گا۔ اللہ وسعتوں والا ہے اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں اللہ خوب

علم رکھنے والا ہے۔خرچ کرنے والوں کا عمل اللہ کے علم میں ہے اُن کا عمل بھی اور اُن کی نیت بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔انفاق کسی بھی چیز یا مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے یا کھپانے کو کہتے ہیں۔ یہاں مال کے انفاق کا بیان آیا ہے۔ مال کے انفاق کی دو بڑی بڑی مدّات ہیں ایک مدّ کو ہم کہتے ہیں قرضِ حسنہ، یعنی وہ مال جو اللہ رب العالمین کے دین کی سربلندی کے لیے، اس کے دین کی دعوت اور نشر و اشاعت کے لیے، اس کے دین کی اقامت اور اس کے کلمہ کی سربلندی کے لیے اور اس لیے خرچ کرنا کہ اس کا دین بالفعل غالب و قائم ہو جائے۔

اور دوسری کو ہم کہتے ہیں صدقات۔ صدقہ کی فرض شکل ہے زکوۃ، جس کے مصارف کا بیان آیا ہے سورۃُ التّوبہ کی آیت نمبر 60 میں۔ وہاں زکوۃ کے آٹھ مصارف کا بیان آیا ہے وہاں صدقات کا لفظ بھی آیا ہے اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے۔تو صدقے کی فرض شکل زکوۃ ہے۔ایک شکل واجب بھی ہے جیسا کہ صدقۂ فطر کا معاملہ ہوتا ہے اور پھر عموم کے اعتبار سے نفلی صدقات کا معاملہ ہوا کرتا ہے تو صدقات اکثر و بیشتر بندوں کی حاجات پر خرچ ہو رہے ہوتے ہیں۔اس کی فرض اور واجب شکل بھی ہوتی ہے اور نفل بھی۔

”قرضِ حسنہ“ اکثر و بیشتر اللہ کے دین کی دعوت اور اس کے دین کی سربُلندی کے لئے خرچ ہو رہا ہوتا ہے قرضِ حسنہ اور صدقات ان دونوں کو ملائیں تو اِنفاق کا بڑا عنوان (Title) بنتا ہے۔اس اِنفاق کا اجر و ثواب یہاں بیان ہو رہا ہے کہ سات سو گُنا تک اللہ تعالیٰ اجر بڑھا دیتا ہے یہ اجر کیسے بڑھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ بندہ کتنے خلوص کے ساتھ خرچ کر رہا ہے، بظاہر کتنے مشکل حالات میں خرچ کر رہا ہے؟ کتنی مشقّت اس کو اٹھانا پڑ رہی ہے، اور یہ مشقتیں کس قدر ہیں؟ کتنے موافق یا مخالف حالات میں بندہ خرچ کر رہا ہے اس سے یہ اجر بڑھتا چلا جاتا ہے۔رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کو مختلف صلاحیتیں دی ہیں اور مالی اعتبار سے مختلف کیفیات دی ہیں تو ہر ایک کو خرچ

کرنا چاہیے۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا! "کھجور کا ایک دانہ اللہ کی راہ میں دے کر بھی اگر تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا سکتے ہو تو بچا لو" یہ صحیح مسلم شریف کی روایت ہے اور اللہ تعالیٰ اجر کہاں تک بڑھاتا ہے؟ مسلم شریف کی ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم ایک کھجور اللہ کی راہ میں دیتے ہو اللہ اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر اس کے اجر کو پروان چڑھاتا ہے، یہاں تک کہ ایک پہاڑ، اور روایت میں ہے کہ اُحد پہاڑ جتنا اجر ہو جاتا ہے۔ اور رمضان کا مہینہ تو ہے ہی غم خواری کا مہینہ، ہمدردی کا مہینہ اور اس ماہِ مُبارک میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سخاوت کی کیفیت بخاری شریف کی روایت میں آئی ہے کہ، تیز رفتار آندھی کی سی تیزی اس میں آجایا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں مجھے اور آپ کو اور زکوۃ جن پر فرض ہو وہ تو انہوں نے ادا کرنی ہی ہے اس سے بھی آگے بڑھ کر خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ یہ اِنفاق کا اجر تب ملتا ہے جب یہ مالِ حلال میں سے ہو۔ مسلم شریف کی ایک اور روایت ہے۔ حرام مال سے کیا گیا صدقہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خُلوص کے ساتھ اپنے کلمے کی سربلندی کے لیے بھی، اپنے دین کی سربلندی کے لئے بھی، مخلوق کی خدمت کے لیے بھی مجھے اور آپ کو خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ کی ذات بڑی غیور ذات ہے۔ آخرت کا اجر تو ہے ہی، اللہ پاک دنیا میں بھی برکت عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور ہم سب کو اپنی راہ میں حلال مال سے، زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین – یارب العالمین!

درس نمبر 11

سورۃ التوبہ: آیت نمبر 24

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۟﴾

ترجمہ: ” (اے نبی ﷺ !ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)، تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں، اور وہ تجارت جس کے مندے [۱] کا تمہیں خطرہ رہتا ہے، اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں، (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ، اس کے رسول اور اس کے رستے میں جہاد سے، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔ اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب [۲] نہیں کرتا۔“

آج کی آیت کے حوالہ سے جس آیتِ کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے وہ سورۃ التّوبہ کی آیت نمبر 24 ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے محبتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ رشتوں اور مال و اسباب کی کل آٹھ محبتیں۔ یہ آٹھ (8) محبتیں ایک طرف اور تین محبتیں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی محبت دوسری طرف اور دعوتِ فکر دی جارہی ہے۔ دیکھ لو کونسا پلڑا بھاری ہے؟ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 24 میں ارشاد ہوا:

”اے نبی ﷺ ! آپ فرما دیجیے اے لوگو! اگر تمہیں تمہارے باپ اور

---

(۱) خسارہ (۲) راستہ پانے والا

تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے رشتے دار اور جو مال تم نے بڑے محنت سے کمائے ہیں اور جس تجارت کے نقصان کا تمہیں اندیشہ لگا رہتا ہے اور وہ مکانات اور محلّات جو تم نے بہت شوق سے بنائے ہیں اگر یہ آٹھ محبتیں یا ان میں سے کوئی ایک تمہیں زیادہ محبوب ہے اللہ کی محبت سے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبت سے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی محبت سے تو جاؤ اور انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ رب العالمین کا حکم آ جائے، اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا"۔

بہت لرزا دینے والا ایک انداز ہے جاؤ پھر انتظار کرو اللہ تعالیٰ کے حکم کا، یہ حکم موت کا بھی ہو سکتا ہے اور عذاب کا بھی اور ایسے فاسقوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ کیا دعوتِ فکر دی جا رہی ہے؟ ہم اپنے باطن میں ایک ترازو قائم کریں جس کے دو پلڑے ہوں، ایک پلڑے میں 8 محبتیں باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، رشتے دار، مال اور تجارت اور مکانات و محلّات کی محبت اور دوسرے پلڑے میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی محبت رکھیں اور پھر دیکھیں کون سا پلڑا بھاری ہے۔ اگر یہ آٹھ محبتوں والا پلڑا بھاری ہے تو دھمکی کا انداز ہے جاؤ پھر انتظار کرو اللہ کے عذاب اور اللہ کے فیصلے کا اور ایسے فاسقوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔

رشتوں کی اہمیت دین نے بتائی ہے مگر ان رشتوں سے محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبت کے تابع (۱) رہنی چاہیے۔ حلال کماؤ اور حلال ہی میں خرچ کرو اس میں کوئی حرج (۲) کی بات نہیں ہے گھر بھی بنایا جائے تا کہ اس میں رہائش اختیار کی جا سکے کوئی حرج کی بات نہیں "یہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے" یہ دنیا میں برتنے کی چیزیں ہیں یہ رشتے ہیں، یہ مال ہے، یہ تجارت ہے، یہ ہماری ضرورت ہے مقصود نہیں ہے۔ ان کو تابع رہنا ہو گا اللہ تعالیٰ کی محبت کے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت کے۔ اگر یہ آٹھ محبتیں بڑھ جائیں اور یہ پلڑا بھاری ہو جائے تو پھر بہت

(۱) ماتحت (۲) نقصان

بڑی دھمکی کا انداز سامنے آرہا ہے۔اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

اس کے برعکس اگر اللہ کی محبت، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اللہ کی راہ میں جہاد کی محبت سب سے بلندتر، پہلے اور سب سے اُوپر ہے اور بقیہ محبتیں ان تین محبتوں کے تابع ہیں تو کوئی حرج کی بات نہیں اگر بیوی نیک ہو تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بہترین نعمت ہے۔اولاد کو نیک بنائے گی۔اولاد بھی صدقہ جاریہ بنے گی۔حلال مال کمائے گی تو ثواب بھی ملے گا اور جائز میں خرچ کرے گی تو اجر بھی ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔جب تم ماں باپ کو لقمہ کھلاتے ہو، بیوی کو لقمہ کھلاتے ہو، اولاد کو لقمہ کھلاتے ہو، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان سب کاموں کا اجر ہے مگر یہ سب مقصود نہ بن جائے۔ یہ ضرورت کے طور پر رہیں لیکن سب سے اوپر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت رہے۔

ایک اور اہم نکتہ قرآن حکیم بیان فرماتا ہے:(وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) (البقرۃ:165) ایمان والوں کی شدید ترین محبت اللہ سے ہوتی ہے۔سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 06 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے!”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان والوں کے نزدیک ان کی جانوں سے بڑھ کر مقدم اور محترم ہیں“ تو سب سے اوپر محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو اور باقی محبتیں ان کے تابع رہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت قلبی معاملہ ہے۔اظہار کس بات سے ہوگا؟ وہ جہاد فی سبیل اللہ کا عمل ہے۔ایک ہے قتال، وہ تو جنگ ہے جس کا کبھی کبھی موقع آتا ہے اور ایک ہے یہ جہاد فی سبیل اللہ۔مستقل محنت اور گناہوں سے بچنے کے لیے محنت، علمِ دین سیکھنے کے لیے محنت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے لیے محنت، اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لیے محنت، اللہ کے کلمہ کی سربلندی کی جدوجہد والی محنت۔اس میں کبھی باطل سے ٹکراؤ ہے اور اگر قتال فی سبیل اللہ کی مزید شرائط بھی پوری ہو جائیں تو جنگ کا بھی معاملہ آجائے گا۔ یہ سارا عمل جہاد کا ہے۔اس سے پتہ چلے گا کہ دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی محبت موجود ہے یا نہیں۔ جہادِ فی سبیل اللہ ایک مستقل عمل ہے پوری زندگی بھر کا اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دینے کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی پر مبنی نظام کو قائم کرنے کے لیے۔ اگر تو یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ بات جو آگے دھمکی کے انداز میں آ رہی ہے وہ ہمارے لیے نہیں ہوگی اور اگر دنیاوی محبتوں اور رشتوں میں ڈوب گئے اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام اور اللہ کے دین کو پسِ پشت ڈال دیا تو پھر اللہ فرماتا ہے (وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ) اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دنیا کی محبت میں ڈوبنے سے بچائے اور اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور اپنے رسول ﷺ کی محبت اور اپنی راہ میں جہاد کی محبت ہم لوگوں کو سب سے اوپر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین- یارب العالمین!

درس نمبر 12

سورۃ الحجرات: آیت نمبر 2

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝۲

ترجمہ: ”اے اہلِ ایمان! اپنی آواز کبھی بلند نہ کرنا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز پر اور نہ انہیں اس طرح آواز دے کر پکارنا جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکارتے ہو۔ مبادا[۱] تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“

آج کی آیت کریمہ جس کا ہم نے انتخاب کیا ہے یہ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 2 ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب اور احترام کا ذکر جا بجا قرآن پاک میں آتا ہے۔ البتہ اس موضوع پر اہم ترین اور حساس ترین جو بات آئی ہے وہ سورۃ الحجرات کی اس آیت نمبر 2 میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کے تعلق سے ہماری رہنمائی کی ہے۔ سورۃ الحجرات آیت نمبر 2 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو اور ان کے روبرو[۲] اس طرح زور سے بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز میں گفتگو کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہوتے چلے جائیں اور تم کو شعور بھی نہ ہو“ اللہ اکبر! تمہاری آواز بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلند نہیں ہونی چاہیے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اتنے دھیمے انداز سے گفتگو کرنے لگے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ ذرا بلند آواز سے بات کرو۔

---

(۱) ایسا نہ ہو (۲) سامنے

صحابہ کرامؓ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ اندازہ کریں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے اوپر تمہاری آواز ہوگئی تو تمہاری نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔ ہمارے لئے آج اس کا عملی پہلو کیا ہوسکتا ہے؟ اہل علم نے بیان فرمایا ہے کہ جب روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری ہو آواز بہت دھیمی رکھی جائے۔ جب ہمارے سامنے احادیثِ مبارکہ کا ذکر ہو تو بہت توجہ سے اور خاموشی سے سنا جائے۔ جب دو افراد کے درمیان گفتگو ہوتے ہوتے بحث و مباحثہ شروع ہو جائے اور ایک اپنے مؤقف Argument کے طور پر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کر دے تو دوسرے کو خاموش ہو جانا چاہیے یہ تو اس کے فوری پہلو ہیں کہ ہماری آوز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو۔ اس کو مزید اور آگے لے کر چلیں۔ اگر آواز سے آواز بلند ہو جائے تو نیکیاں برباد ہو جائیں اور ایسے کہ شعور بھی نہ ہو اس قدر بڑی سزا ہے۔ دیکھیے بندے کو احساس ہو کہ میں نے گناہ کیا ہے تو توبہ کر لے گا۔ ایک اور بندے کو گناہ کا احساس ہی نہیں ہے تو توبہ کی توفیق کہاں سے ملے گی۔ اس قدر بڑی سزا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرنے کی۔ اندازہ کریں آواز سے آواز اوپر ہو جائے تو نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔

جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں وہ تو ہیں ہی جہنم کے اندر اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا سرے سے انکار کرے (Authority of Sunnah) سنت کی قطعی حُجّت ہی کو تسلیم ہی نہ کریں ان کا کیا انجام ہوگا؟ وہ لوگ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کریں یہ لوگ تو ہوتے ہی کافر ہیں تو ان کا انجام تو ہونا ہی برا ہے۔ ہمارے لیے دعوتِ فکر ہے کہ ہمارے اندر غیرتِ ایمانی موجود ہے کہ نہیں کہ اگر کہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کا معاملہ ہو اور ہم خاموش بیٹھے رہیں۔
امام مالکؒ نے فرمایا "اُس امت کا زندہ رہنے کا کوئی جواز [۱] نہیں بنتا کہ جس کے پیغمبر کی شان میں گستاخی کا معاملہ ہو اور امت بیٹھی رہے۔"

(۱) جائز ہونا

آج حالات ایسے بن چکے ہیں کہ غیروں کی طرف سے، کافروں کی طرف سے، دین دشمنوں کی طرف سے آئے دن توہینِ رسالت کا معاملہ ہے تو امت کے لیے غیرت کا ثبوت پیش کرنا بہت ضروری ہے۔ ہاں! ایک اور پہلو بھی قابلِ غور ہے جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا مذاق اڑائیں یہ داڑھی جو مسلمان رکھتا ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سمجھ کر اور ان کے پیارے چہرے کی یہ سنت سمجھ کر۔ آج میری بہن اور بیٹی اگر نقاب کرتی ہے حجاب کرتی ہے، پردہ کرتی ہے تو بی بی فاطمۃُ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی چادر کا لحاظ رکھتی ہے اُن کی پیروی کرتی ہے۔ وہ امّاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لباس کی پیروی کرتی ہے۔ آج ہمارے یہ ظاہری شعار Getup جو سنت کی تعلیم کے قریب ہے اگر ان شعائر کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ آج اگر کوئی یہ کہے کہ اس حکم پر عمل ہو نہیں سکتا یہ تو بڑا مشکل معاملہ ہے ایسی گفتگو جو ہمارے معاشرے میں اکثر چلتی رہتی ہے۔ یہ بھی بے ادبی ہے کہ نہیں؟ اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کی آواز سے بلند نہ کرنا، اور نہ ان کے روبرو زور سے باتیں کرنا جیسے آپس میں کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری نیکیاں ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔

اہلِ علم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ یہ جو آج نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان کرتے ہوئے اور پیش کرتے ہوئے جو انداز کنسرٹ[۱] (Concerts) کا آ گیا ہے۔ میوزیکل آلات (Instruments) استعمال ہو رہے ہیں اور جو Concerts کے اندر دائیں بائیں جھومنے کا انداز بھی آ گیا ہے، عشق و معشوقی اور محبت کی داستانوں کی گراوٹ[۲] کی باتیں ہیں، وہ الفاظ اور انداز جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں، سارے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خود اپنی جگہ بے ادبی کا ایک پہلو ہے۔ خدارا اس سے بھی بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت ادب اور احترام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین - یا رب العالمین!

---

(۱) ناچ گانے کی تقریب (۲) پستی

درس نمبر 13

سورۃ آلِ عمران: آیت نمبر 110

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾﴾

ترجمہ: "تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم حکم کرتے ہو نیکی کا اور تم روکتے ہو بدی سے اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔ اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا۔ ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں لیکن ان کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل ہے۔"

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے یہ سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 110 ہے۔ یہ اُمت جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے۔ یہ آخری امت ہے اور یہ بہترین امت ہے۔ البتہ یہ بہترین اس لیے ہے کہ اس کو سارے انسانوں کی رہنمائی کے لیے کھڑا کیا گیا ہے اور کچھ ذمہ داریاں بھی اس امت پر ڈالی گئی ہیں۔ ان باتوں کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں آیا ہے۔ سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 110 میں ارشاد ہوا! "تم بہترین امت ہو جنہیں لوگوں کی رہنمائی کے لیے پیدا کیا گیا۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور تم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا ان میں کچھ ایمان والے ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں"۔

آیتِ کریمہ کے آغاز میں فرمایا گیا تم بہترین اُمت ہو۔ دیکھئے دنیا میں جب بھی کسی کو کوئی پُرکشش عہدہ، کوئی بہت بڑا منصب بنگلہ گاڑی سمیت ملتا ہے تو مفت میں نہیں

ملتا بلکہ ذمہ داری کے ساتھ ملتا ہے۔ اور جتنا بھاری منصب ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ ذمہ داری ہوتی ہے۔ اور پھر فوائد Benefits بھی اتنے ہی ملتے ہیں۔ اس اُمت کو بہترین اُمت قرار دیا گیا تو کس ذمہ داری کی وجہ سے؟ (اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) اس اُمت کو لوگوں کے لیے برپا کیا گیا۔ لوگوں کی رہنمائی کرنے کے لیے پیدا کیا گیا۔ ہمیں اور آپ کو صرف اپنے لیے نہیں جینا بلکہ دوسروں کی بھی فکر کرنی ہے۔ ختمِ نبوّت کے بعد اب انسانیت کے سامنے اللہ تعالیٰ کا دین پیش کرنا، اللہ کے دین کی گواہی پیش کرنا اور اللہ کے دین کو غالب کر کے نمونے کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنا۔ یہ سب اس خیرِ اُمّت کی ذمہ داری ہے۔ آگے فرمایا گیا (تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) تم بھلائی کا حکم دو گے بدی سے روکو گے۔ یہ بہت اہم فریضہ ہے جو بتایا جا رہا ہے۔ ہم نے نہ صرف دوسروں کی بھی فکر کرنی ہے بلکہ خود بھی نیک بننا ہے اور دوسروں کو بھی نیکی کی دعوت دینی ہے۔ خود بھی بدی سے بچنا ہے اور دوسروں کو بھی بدی سے بچانے کی کوشش کرنی ہے۔ البتہ حکم کب دیا جا سکتا ہے جب اختیار ہو۔ میں اپنے بیٹے کو حکم دے سکتا ہوں لیکن اپنے محلے والوں کے بچوں کو اور محلے والوں کو حکم نہیں دے سکتا۔ اس کے لیے قوت نافذہ ہونی چاہیے۔ جو دراصل اہلِ اقتدار کے پاس ہوا کرتی ہے۔ تو مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے اور اہلِ اقتدار کی بھی ذمہ داری ہے کہ نیکی کا حکم دیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کا نفاذ کریں (وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) اور تم بدی سے روکتے ہو۔ تو جن کے پاس قوت اور اقتدار ہے وہ تو طاقت استعمال کریں سود کے خاتمہ کے لیے، جُوئے کے خاتمہ کے لیے، شراب کے خاتمہ کے لیے، بے حیائی کے خاتمہ کے لیے۔

عام مسلمان سے تو میں اور آپ درخواست کریں گے، دعوت دیں گے کہ بھائی سود کو چھوڑ دو، بے حیائی کو چھوڑ دو۔ ہمارے پاس طاقت نہیں لیکن جن کے پاس طاقت ہے ان کو کل اللہ تعالیٰ کو جواب بھی دینا ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ طاقت کے ذریعے سے بدی اور منکرات کا خاتمہ کریں۔ جہاں اختیار نہیں، وہاں دعوت ہے، تبلیغ ہے، درخواست

ہے، یاد دہانی ہے، مِنّت سماجت کرنا ہے لیکن جہاں اختیار ہے وہاں پر اختیار استعمال کر کے نیکی کا حکم دیا جائے گا، فرائض پر عمل درآمد کروایا جائے گا اور بدی کو مٹایا جائے گا۔ آگے فرمایا! (وَتُؤمِنُوْنَ بِاللّٰه) اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ آپ قرآن حکیم پڑھ جائیں اکثر و بیشتر آپ کو ترتیب میں ایمان پہلے ملے گا، عمل بعد میں ملے گا۔ (اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ) یہاں ترتیب بدل گئی اور کس آیت میں بدل گئی؟ جہاں خیرِ اُمت کا ذکر آیا ہے خیرِ اُمت والی اس آیت میں عمل کا بیان پہلے ایمان کا بیان بعد میں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ تم نیکی کا حکم دو گے تم بدی سے روکو گے تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو آخر ایسا کیوں؟ ہم بھی کلمہ پڑھ کر مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں تو اس میں کمال کیا ہے؟ حضرت نوحؑ کے دور میں جو لوگ ایمان والے تھے انہیں تو حکم تھا صرف نوحؑ کا کلمہ پڑھنے کا اور انہوں نے کلمہ پڑھا اور کامیاب ہو گئے۔ آج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا کلمہ پڑھیں گے تو کامیابی ملے گی۔ تو کلمہ آج پڑھنے کا موقع ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تعلق سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ ہم بھی کلمہ پڑھ کر مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں تو اس میں کمال کیا ہے؟ کمال تو جب ہے کہ تم کلمہ پڑھ کر ہی بیٹھ نہ رہو۔ کلمے کے تقاضوں پر خود بھی عمل کرو، کلمے کے تقاضوں کو بیان بھی کرو، کلمے کے تقاضوں کے نفاذ کی جدوجہد بھی کرو۔ یہ کرو گے تو تم بہترین اُمّت ہو اور اہلِ علم نے بیان فرمایا، امام قُرطبی بھی فرماتے ہیں "وہ شخص اُمّتی کہلوانے کا مستحق نہیں ہوسکتا جو اس فریضے کو انجام نہ دے" یہ امت صرف گھر بنانے کے لیے اور کاروبار چلانے کے لیے پیدا نہیں کی گئی۔ یہ کام تو کافر بھی کر رہے ہیں تو ہم کہاں سے خیرِ اُمت ہو جائیں گے اگر ہم نے بھی عمارتیں بنا لیں، جائدادیں بنا لیں یہ کون سے کمال کی بات ہے؟ ہمارے فرائض کیا ہیں؟ ہمیں دوسروں کے لیے برپا کیا گیا ہے ہم نیکی کا حکم دیں گے بدی سے روکیں گے۔ یہ کام کریں گے تو ہم خیرِ اُمت ہیں، یہ کریں گے تو ہم واقعتاً اُمتی ہیں۔ کیونکہ اُمت اسی کام کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ آگے ارشاد ہوا! (وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ) اور اگر

اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔(مِّنۡهُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَاَكۡثَرُهُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ) ان میں سے کچھ ایمان والے ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ یہاں اہلِ کتاب کا بھی ذکر آ گیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس امت جس میں اس نے پیدا فرمایا اس کے خیرِ امت ہونے والے پہلو کو اس تناظر [۱] میں سامنے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ذمہ داریاں ادا کرنے والے بن جائیں۔ خود نیک بننا، نیکی کی دعوت دینا، بدی سے بچنا، بدی کو مٹانے کی کوشش کرنا، اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدوجہد کرنا شروع کر دیں۔ تاکہ منکرات کا خاتمہ ہو اور فرائض و واجبات پر عمل ہو تب واقعتاً ہم امتی ہوں گے اور تب روزِ قیامت اِن شاءاللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت بھی ہمیں میسر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو، ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین- یارب العالمین!

---

(۱) منظر- حالت

درس نمبر 14

سورۃ الحجرات: آیت نمبر 13

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾﴾

ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے اور ہم نے تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناتم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے یہ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 13 ہے۔ تمام انسانوں کا خالق ایک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ، تمام انسانوں کے اولین والدین آدم وحوا علیہما السلام ہیں، اس ناتے[(۱)] سے سارے انسان برابر ہیں۔ البتہ کنبے، قبیلے، خاندانوں میں جو اللہ تعالیٰ نے تقسیم فرمایا ہے۔ وہ ہمارے آپس کے تعارف کے لیے ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں مقام اس کا بلند ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہو۔ یہ موضوعات ہیں جو اس آیت کریمہ میں آرہے ہیں۔ سورۃُ الحجرات کی آیت نمبر 13 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے! ”اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے“ یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سب کا خالق ہے اور سب کے اولین والدین آدم وحوا علیہما السلام ہیں۔ اس ناطے، ایک عالمگیر برادری، ایک Universal Brotherhood قائم کرنا چاہتے ہیں تو یہ دو بڑی مضبوط بنیادیں ہیں ورنہ سب کے رنگ، نسل، زبانیں، خطے، مذاہب

---

(۱) تعلق

الگ الگ ہیں لیکن سارے انسانوں میں دو باتیں مشترک ہیں۔سب کا خالق ایک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور سب کے اولین والدین آدم وحوا علیہما السلام۔تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے تمھیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور ہم نے تمہارے کنبے اور قبیلے بنادیئے تاکہ تم باہم تعارف حاصل کرلو۔

اقوام کی بھی خصوصیات ہوا کرتی ہیں اور خطّوں کی بھی، یہ افریقن ہے، یہ چائنیز ہے، یہ جرمن ہے،تو دیکھ کر ہی کچھ اندازہ ہوجاتا ہے۔کچھ خاص رنگ اور ذات پات والے لوگوں کو دیکھ کر ان کی خصوصیات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جاتا ہے البتہ اگر کوئی گورے رنگ میں پیدا ہوگیا اور کوئی سیاہ رنگ میں تو کسی کا کمال اور کسی کی تذلیل کی باتیں کیوں ہوتی ہیں؟ یہ سب تو اللہ پاک کی تخلیق ہے۔یہ تخلیق میں فرق کس مقصد کے لیے ہے"لِتَعَارَفُوْا" تعارف اور پہچان کے لیے۔سب کی شکلیں ایک جیسی ہوتیں تو کتنی بوریت ہوجاتی۔علاقوں کے اعتبار سے رنگت کا فرق ہونا، زبانوں کا فرق ہونا،اس میں تو ایک رنگا رنگی اور حُسن ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے رکھا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کی عظمت کی بہت بڑی نشانی ہے۔زبانیں کس قدر ہیں، لہجے کس قدر ہیں، رنگتیں کس قدر ہیں، اللہ اکبر! تو یہ سب کیا ہیں؟ کنبوں،قبیلوں کی تقسیم، خاندانوں اور برادریوں کی تقسیم تعارف کے لیے،اس کی بنیاد پر کوئی اونچ نیچ کا معاملہ نہ ہو، یہ اونچی ذات کا، یہ نچلی ذات کا، یہ تو انسانیت کی تذلیل والا پہلو ہے۔یہ سیاہ رنگ والا ہے تو یہ گھٹیا ہے اور یہ سفید(White) رنگ والا ہے تو یہ اعلیٰ ہے، یہ تمام گھٹیا باتیں تعصّبات کا نتیجہ ہیں۔

آج بھی دنیا میں جمہوریت اور سیکولرازم کے چیمپئن قرار دیے جانے والے امریکہ جیسے ملک نے کیا کچھ نہ کر کے دکھا دیا۔پچھلے امریکی صدر ٹرمپ کے دورِ حکومت میں کس طرح کا تعصب دنیا کے سامنے آیا۔ بھارت جو کہ جمہوریت کا بہت بڑا چیمپئن بنتا ہے وہاں آج بھی مختلف ذاتوں میں،اونچ اور نیچ کا فرق ختم نہ ہوسکا،ان سب باتوں نے انسانیت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے!" بے شک اللہ تعالیٰ

کی نگاہوں میں تم میں سب سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے۔“ یہ ہے وہ خوبصورت تعلیم جو ہمیں دی گئی ہے جہاں پر بندے کے پاس اختیار ہے۔

کوئی کالا پیدا ہوا تو کوئی گورا پیدا ہوا، کوئی کسی علاقے میں تو کوئی کسی علاقے میں پیدا ہوا، اس میں کسی انسان کا کوئی اختیار نہیں۔ اس کی بنیاد پر لوگوں کی نہ کوئی پکڑ ہے اور نہ ہی کوئی عذاب یا ثواب کا معاملہ۔ لیکن اختیار اللہ تعالیٰ نے عمل کے میدان میں دیا ہے۔ تو جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہو، خوفِ خدا رکھنے والا ہو، گناہوں سے بچنے والا ہو، خیر کے امور میں آگے بڑھنے والا ہو، اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرنے والا ہو۔ جس کسی میں تقویٰ ہوگا اس کا مقام اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں بُلند ہے۔ آج دنیا کے معیارات کیا ہیں؟ خوبصورت ہونا چاہیے، مال والا ہونا چاہیے، دولت والا ہونا چاہیے، سردار ہونا چاہیے، یہ سب کچھ تو ابولہب کے پاس بھی تھا مگر، ایمان نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا! (تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّؕ) (سورۃ اللّھب) اور حضرت بلال حبشی ؓ سیاہ فام ہیں۔ حبشہ کے ہیں، آزاد کردہ غلام، خاندان کا پتہ نہیں، مال و دولت کچھ نہیں، چودھراہٹ، کرسی و اقتدار کچھ نہیں۔ مگر ایمان ہے تو حضرت بلال حبشی ؓ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیّدنا بلال ؓ پکارتے ہیں ”سیدنا بلال“ ہمارے آقا بلال ؓ آ گئے، معراج کی شب ان کے قدموں کی آواز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنت میں سنی ہے۔ اللہ اکبر کس بنیاد پر؟ تقویٰ ہے ان کے پاس، ہم بھی اپنے معاشرے کے معیارات کو دیکھ لیں، بلڈنگیں زیادہ ہیں، پلازے زیادہ ہیں، جائیدادیں زیادہ ہیں، بینک بیلنس زیادہ ہے، کرسی ہے، منصب ہے، ہم انہی بنیادوں پر کسی کو اہمیت دیتے ہیں چاہے وہ ایک نمبر کا جھوٹا، دغا باز، مکار اور حرام کمانے والا لوٹ مار کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔ عام طور پر آج ہمیں ایسی ہی صورتحال سے واسطہ درپیش ہے۔ کتنے ہی اللہ والے، دین دار ہوتے ہیں، نیک بندے ہوتے ہیں لیکن ہم ان کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہ دنیا پرستوں کا معیار

ہے۔ اللہ کا معیار کیا ہے؟ ”بے شک اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تم سب میں بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے“ آج دنیا کے اندر گورے اور کالے کا فرق نہ مٹ سکا جس کی وجہ سے طرح طرح کے مسائل درپیش ہیں۔ آج معاشرے کی روایت یہ بن گئی ہے کہ اگر پیسے والا ہے تو وہ اچھا اور اونچا ہے، وہ گلے کاٹ کر بھی پیسہ کمائے گا کیوں کہ معاشرہ، معاشرتی انتشار اور بگاڑ کا شکار ہے۔

اس کے برعکس معاشرے میں قدر ان کی ہونی چاہیے جن کا کردار اچھا ہو، معاشرے میں قدر ان کی ہونی چاہیے جن کی اَقدار Values اچھی ہوں، کیا ہی اچھا ہو کہ معاشرے میں قدر ان کی ہو جن میں تقویٰ ہو تو پھر معاشرے کا رخ کیا ہوگا؟ سب نیکی میں آگے بڑھیں گے۔ سب خیر میں آگے بڑھیں گے۔ (اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ) بے شک اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تم میں سب سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے۔ یہی بات تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ میں ارشاد فرمائی کہ! ”کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے“ ”اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ“ ”بے شک اللہ تعالیٰ خوب علم رکھنے والا خوب خبر رکھنے والا جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ہم سب کو اپنے منتخب بندوں میں شامل فرمائے۔

آمین – یا رب العالمین!

درس نمبر 15

سورۃ الفرقان: آیت نمبر 30

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝۳۰﴾

ترجمہ: "اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا (یا رسول کہے گا): اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز بنا دیا۔"

آج کی آیت کے حوالے سے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 30 کا ہم نے انتخاب کیا ہے۔ اس مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک شکایت کا ذکر ہے۔ جو ان لوگوں کے خلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیامت کے دن کریں گے، جنہوں نے قرآنِ حکیم کو نظر انداز کر دیا تھا۔ یا بالفاظ دیگر پسِ پشت ڈال دیا تھا۔ سورۃ الفرقان کی آیت نمبر 30 میں اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا! "اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) بطور شکایت اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ اے میرے رب! بیشک میری اس قوم نے اس قرآن کریم کو ترک کر دیا تھا"۔

"مھجورًا" کے بارے میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ ایک ایسی شے جس کو آدمی قابلِ التفات (۱) نہ سمجھے، اہمیت نہ دے، مفید نہ سمجھے، اپنے لئے لازم نہ سمجھے اپنے آپ کو اس کیلئے ضرورت مند محسوس نہ کرے اور اس کو نظر انداز کر دے تو اس کے لیے "مھجورًا" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

یہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شکایت ہے۔ اولاً تو یہاں مراد مشرکین اور کفار ہیں کہ جنہوں نے قرآن کریم کی دعوت کو رد کر دیا تھا۔ ان کے بارے میں ذکر آ رہا ہے۔ البتہ مفسرین نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ ہم مسلمانوں کو بھی ڈرنا چاہیے کہ کہیں یہ شکایت ہمارے خلاف بھی نہ ہو جائے۔ قرآن کریم پر کوئی ایمان نہ لائے تو یہ بھی قرآنِ حکیم کا

---

(۱) توجہ

پسِ پشت ڈال دینا ہے۔نظر انداز کر دینا ہے۔کوئی قرآن پاک کی تلاوت درست طریقے پر نہ کرسکتا ہواور اسکی با قاعدہ صحیح طریقے سے تلاوت کرنے کی کوشش بھی نہ کرتا ہو، یہ بھی قرآن کریم کونظر انداز کر دینا ہے۔کوئی قرآن پاک کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے تو یہ بھی قرآن حکیم کونظر انداز کر دینا ہے۔کوئی قرآن حکیم کے احکامات پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ بھی قرآن حکیم کونظر انداز کر دینا ہے۔پسِ پشت ڈال دینا ہے۔ کوئی قرآن کریم کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش نہ کرے یہ بھی قرآن کریم کو پسِ پشت ڈال دینا ہے۔ ہم مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے پانچ (5) حقوق عائد ہوتے ہیں۔

1) قرآن حکیم پر ایمان لانا۔

2) قرآن حکیم کی با قاعدہ تلاوت کرنا۔

3) قرآن حکیم کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔

4) قرآنِ کریم کے احکامات پر عمل کرنا اور اُن احکامات کے نفاذ کی جدو جہد کرنا۔

5) قرآن کریم کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا۔

اگر ہم یہ حقوق ادا کر رہے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ قرآن کریم بھی ہمارے حق میں سفارش کرنے والا ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت بھی ہمیں میسر آئے گی۔لیکن اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے کہ اگر قرآن کریم کو پسِ پشت [۱] ڈالا ہوا ہے یا نظر انداز کیا ہوا ہے۔ اس پر دل کی گہرائیوں سے ایمان نہیں یا اس کی تلاوت کا اہتمام نہیں۔ اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرنے کی محنت نہیں۔ اس کے احکام کے نفاذ کی جدو جہد نہیں تو اسکا مطلب ہے کہ اس کے پیغام کو پسِ پشت ڈالا ہوا ہے۔

لہٰذا ڈرنا چاہیے کہ کہیں کل اللہ کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے خلاف شکایت لے کر کھڑے نہ ہو جائیں۔جس کے خلاف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شکایت لے کر کھڑے

---

(۱) پیٹھ کے پیچھے

ہو جائیں تو اندازہ کیجیے کون اس کو اللہ کی پکڑ سے بچا سکے گا۔ ہم بھی اپنے شب و روز کے معمولات کو دیکھیں کہ کتنا وقت قرآن پاک کے لیے ہم مختص کرتے ہیں اور معیّن کرتے ہیں؟ کیا واقعتاً اس پر ہمارا دل سے ایمان ہے؟ کیا قرآن پاک کی باقاعدہ تلاوت کی پوری زندگی میں ہم اہتمام کررہے ہیں؟ کیا ہمیں اس کو سمجھنے کا موقع مل رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ اور کن باتوں سے منع فرماتا ہے؟ کیا ہم یہ باتیں سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں؟ کیا ہم قرآن پاک کے احکامات پر عمل کی کوشش کر رہے ہیں؟ جو احکامات مجھ سے اور آپ سے فوراً متعلق ہیں۔ نماز ادا کرو، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، ان پر تو فوراً عمل کرنا ہے۔ اور جو احکامات اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں ان کے نفاذ کیلئے جدوجہد کرنا ہمارا فرض ہے۔ کیا ہم یہ جدوجہد کررہے ہیں؟ اور ختمِ نبوّت کی وجہ سے انسانیت تک اللہ کا پیغام پہنچانا، قرآن پاک کی دعوت کو پہنچانا یہ فرض اب ہمارے کاندھوں پر ہے۔ کیا ہم یہ فرض ادا کرنے کی کوشش کررہے ہیں؟ یہ بہت بڑا معاملہ ہے کہ اگر قرآن پاک کو نظرانداز کردیا گیا اسے پس پشت ڈال دیا گیا اس سے بے اعتنائی [1] برتی گئی اور اس سے تعلق کی مضبوطی کا اہتمام نہیں کیا جارہا تو ہمیں ڈرنا چاہیے کہ کل کہیں اللہ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم شکایت لے کر ہمارے خلاف کھڑے نہ ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی شکایت سے ہمیں بچائے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی شفاعت نصیب فرمائے۔

آمین – یارب العالمین!

---

(۱) توجہ نہ دینا

درس نمبر 16

سورۃ النور: آیت نمبر 19

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو، اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں درد ناک عذاب ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے قرآن کریم میں سے سورۃ النور کی آیت نمبر 19 کا ہم نے انتخاب کیا ہے۔ اس مقام پر وہ لوگ کہ جو بے حیائی پھیلاتے ہیں ان کی مذمّت (۱) کی گئی ہے۔ اور ان کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں عذاب کی دھمکی ہے۔ سورۃ النور کی آیت نمبر 19 میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا! ”بے شک وہ لوگ جو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان میں بے حیائی پھیلائیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے“۔

پسِ منظر میں ”واقعۂ اِفک“ بیان ہوا ہے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اور ان کی پاک دامنی پر معاذ اللہ اعتراض کیا گیا تھا اور تہمت (۲) لگائی گئی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں بہت تفصیل سے ان کی عفت (۳) اور پاک دامنی کا اظہار فرمایا اور ان کی برأت (۴) کا اعلان کیا۔ صرف ایک بات تہمت والی زبان پر آئی ہے اور کچھ لوگوں کی زبانوں سے دوسروں تک پہنچی ہے جس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جو لوگ ایمان والوں کے درمیان بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک

(۱) برائی - ملامت (۲) جھوٹا الزام (۳) پاکدامنی - پارسائی (۴) پاکیزگی

عذاب ہے۔اندازہ کیجیے کسی برائی کا معاملہ نہیں ہوا۔ایک جھوٹی تہمت لگائی ہے۔اور وہ تہمت زبانوں سے ہوتی ہوئی دوسروں تک پہنچ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ تو اس بات کو بھی پسند نہیں فرماتا تو پھر جہاں کسی معاشرے میں زنا کی دعوت دی جارہی ہو، بے حیائی، فحاشی اور عریانی کی دعوت دی جارہی ہو بے پردگی کے معاملات چل رہے ہوں، عورت کو کھلونا بنا کر پیش کیا جاتا ہو۔مَردوں کو یہ احساس ہی نہ رہے کہ انہیں اپنی نگاہوں کی حفاظت کرنی ہے۔عورتوں کو بھی اپنی شرم وحیا کی حفاظت کا احساس نہ رہے۔

آج میڈیا پر بیٹھ کر کیا کچھ نہیں ہورہا۔فلمیں، ڈرامے، ناچ گانے، اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر عورت اور مرد کا آزادنہ اختلاط[1]۔یہ سب کچھ زبان زدِ عام بھی ہو رہا ہے اور دکھایا بھی جارہا ہے۔اور مملکتِ خدادادِ پاکستان میں یہ معاملہ ہورہا ہے۔(اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) ایک تہمت زبان پر آئی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ جو بات پھیلائی جارہی ہے دنیا اور آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔تو جہاں زنا کی دعوتیں، گُناہ کی دعوتیں، بے حیائی کی دعوتیں، فحاشی وعریانی کی باتیں زبان زدِ عام ہورہی ہوں اور Billboards کے اوپر Advertisement کے نام پر، Marketing کے نام پر فلموں اور ڈراموں کے نام پر اور شوبز کے نام پر، فلم انڈسٹری کے نام پر اور انفرادی نجی محافل کے اندر جو کچھ ہورہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کتنا غضب ناک ہوتا ہوگا۔گھروں کے اندر سکرین پر کیا کچھ نہیں چل رہا۔اس چیز کی اجازت گھر کا سربراہ خود دیتا ہے۔گھر والے اپنی آزاد مرضی Free Will سے وہ دیکھتے ہیں اور خود ان چیزوں کو گھر میں دیکھنے کی گنجائش دی جارہی ہے۔کیا یہ بے غیرتی کی بات نہیں ہے؟

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ وہ "دیوث" ہے یعنی انتہائی بے غیرت شخص ہے۔ یہ کہا ہے اُس شخص کو کہ جس کی گھر کی خواتین بے پردہ گھومتی ہوں۔آج ہم اپنے گھرانوں کو دیکھیں کیا اماں عائشہ صدیقہؓ یا بی بی فاطمۃ الزہراؓ کا لباس اور ان کی چادر آج

---

(۱) میل جول

ہمارے گھرانوں کی خواتین کے لیے رول ماڈل ہے اور آئیڈیل ہے؟ آج ہمارے ہاں بیٹیوں کا لباس (Dress) کیسا ہے؟ اندازہ کر لیجیے گا۔ اس سے کیا کچھ جذبات جنم نہیں لیتے؟ میڈیا کی سکرین پر جو کچھ دِکھایا جا رہا ہے کیا اُس سے لوگوں کے جذبات نہیں بھڑکتے۔ اور پھر کہاں جا کر ان جذبات کو پورا کیا جاتا ہے اور ان خواہشات کی تکمیل ناجائز طریقے پر کی جاتی ہے۔ پھر ریپ[1] کے کیس بھی بڑھتے ہیں۔ بچوں اور بچیوں کے ساتھ زیادتیاں ہوتی ہیں۔ پھر میڈیا رونا دھونا مچاتا ہے کہ صاحب یہ زیادتی کے معاملات ہو گئے۔ یہ سارا عمل کہاں سے شروع ہوا۔ یہ فحاشی پھیلانے والوں کو سہولتیں کون فراہم کر رہا ہے؟ یہ فحاشی پھیلانے والوں کو تقویت کون دے رہا ہے۔ چاہے وہ وقت کے حکمران ہوں یا میڈیا ہاؤسز ہوں یا ہمارے گھروں کے اندر ان باتوں کی اجازت دی جا رہی ہو یہ جو کچھ پھیلایا جا رہا ہے۔ فحاشی کا معاملہ، عریانی کا معاملہ، بے پردگی کا معاملہ اس سے زنا کے جذبات جنم لیتے ہیں اور معاملات روز بروز بُرائی کی طرف جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے! ”بے شک وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ ایمان والوں کے درمیان بے حیائی پھیلے اُن کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے“ یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام واضح طور پر بے حیائی پھیلانے والوں کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کا ڈراوا سنا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری شرم و حیاء کی حفاظت فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہمیں پردے کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرد ہوں یا عورتیں اللہ تعالیٰ ہمیں زِنا جیسے قبیح[2] جُرم اور وہ تمام امور جو زِنا جیسے قبیح اور بدترین عمل کی طرف لے جانے والے ہیں ان سے ہم سب کو بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین– یارب العالمین!

---

(۱) جنسی حملہ (۲) شرمناک

درس نمبر 17

سورۃ المؤمنون: آیت نمبر 51

﴿يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ﴿۵۱﴾﴾

ترجمہ: ”اے رسولو! پاکیزہ اور حلال چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً میں اس سے باخبر ہوں۔“

آج کی آیت کے حوالہ سے سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر 51 کا ہم نے انتخاب کیا ہے۔اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے خطاب فرمایا ہے اور انہیں پاکیزہ رزق کے حصول اور اس کے استعمال کی ترغیب [1] دلائی ہے۔ اصل میں تو رسولوں سے خطاب فرما کر لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ رہنمائی فرما رہا ہے۔سورۃ المومنون کا آیت نمبر 51 میں ارشاد ہوا! ”اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور عمل کرو نیک بے شک تم جو کرتے ہو میں اسے خوب جاننے والا ہوں“۔

اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے خطاب فرمایا اور پاکیزہ چیزوں میں سے کھانے کا حکم دیا۔قرآن حلال کا لفظ بھی استعمال کرتا ہے اور قرآن پاک میں طیّب کا لفظ بھی آتا ہے۔ جو اشیاء استعمال کی جا رہی ہوں وہ ازخود بھی حلال اور ان کے حصول کا طریقہ بھی حلال ہونا چاہیے۔حلال اور طیب ان دونوں کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس حرام سے ہمارے دین نے ہمیں روکا ہے۔ یہاں رسولوں سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور عمل کرو نیک۔

بعض اہل علم نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے کہ جب بندہ پاکیزہ وطیب اور حلال اشیاء استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کو نیک اعمال کی توفیق بھی عطا

(۱) رغبت۔شوق

فرماتا ہے۔ مالِ حرام اگر وجود میں جائے تو بندہ سرکشی، گناہ اور نافرمانی کی طرف بڑھتا ہے۔ حلال وطیب اشیاء اگر وجود میں جائیں تو بندہ خیر میں، نیکی میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت کے معاملے میں آگے بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حلال پر اکتفا[1] کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حرام کی ہر شکل سے اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ یہی آیت کریمہ ہے جس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلاوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا! کہ جو حکم اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو عطا فرمایا وہی حکم اے ایمان والو! تمہارے لئے بھی ہے اور پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا ذِکر فرمایا کہ جو دور دراز کا سفر کر کے آیا ہے اور اس کے چہرے پر سفر کے اثرات بھی ہیں اس کے لباس پر مٹی ہے چہرے اور بالوں پر مٹی ہے اور وہ ہاتھ بلند کر کر کے دعا کر رہا ہے۔ شارحینِ حدیث نے یہ بات ذکر کی ہے کہ عرفات کا میدان ہے یا خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں! اس کی دعا کیسے قبول ہوگی جبکہ اس کا کھانا حرام کا، اس کا پینا حرام کا، اس کی پرورش حرام سے ہوئی۔

معلوم ہوا اعمال کی قبولیت اور دعاؤں کی قبولیت میں ایک بہت بڑی رکاوٹ مالِ حرام ہے۔ مالِ حرام تو جہنم کے انگارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہنم کے عذاب سے میری اور آپ کی ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ ہم بھی اپنے گھروں میں جائزہ لے لیں کہ آیا جو کچھ آ رہا وہ حلال کا آ رہا ہے یا معاذ اللہ حرام کا۔ حرام مال سے تو کوئی دعا قبول نہیں ہوتی اس حرام مال کی وجہ سے بندہ کی عبادات بھی قبول نہیں ہوتیں۔ حرام مال سے دیا ہوا صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا، حرام مال سے پلا ہوا جسم بھی جہنم کا مستحق ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ تمام باتیں احادیثِ مبارکہ میں بیان ہوئی ہیں۔

اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور عمل کرو نیک اور بیشک جو تم کرتے ہو میں اسے خوب جاننے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو خُوب معلوم ہے کہ کون حلال کے ذریعے

---

(۱) کافی سمجھنا

کما رہا ہے اور کون حرام ذریعے سے کما رہا ہے۔ ہاں کچھ لوگ جھوٹ بول کر وعدہ خلافی کر کے، دھوکہ Cheating دے کر مال ہڑپ کر جاتے ہیں اور اپنی دانست[1] میں سمجھتے ہیں کسی کو معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو خوب معلوم ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر اور باطن ہر ایک معاملے سے واقف ہے اور خوب واقف ہے۔فرمایا جا رہا ہے! ”بے شک تم لوگ جو کچھ کرتے ہو میں اسے خوب جاننے والا ہوں“۔ اللہ تعالیٰ حرام سے ہمیں بچائے اور حلال پر اکتفا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔تو رزقِ حلال اور طیب پر بندہ اکتفا کرے تو یہ خود اپنی جگہ ایک بہت بڑا عبادت کا عمل ہے، اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین – یارب العالمین!

(۱) خیال – سمجھ

درس نمبر 18

سورۃ التحریم: آیت نمبر 6

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝٦﴾

ترجمہ: "اے اہل ایمان! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔ اس پر بڑے تند خو، بہت سخت دل فرشتے مامور ہیں اللہ ان کو جو حکم دے گا وہ فرشتے اس کی نافرمانی نہیں کریں گے اور وہ وہی کریں گے جس کا انہیں حکم دیا جائے گا۔"

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے سورۃ التحریم کی آیت نمبر 6 کا انتخاب کیا ہے۔ گھر کے سربراہ پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں البتہ ازروئے قرآن گھر کے سربراہ کی اہم ترین ذمہ داری کیا ہے؟ اس اہم ترین ذمہ داری کا ذکر ہے جو اس آیت میں آرہا ہے کہ مرد خواہ شوہر کی حیثیت میں ہو یا باپ کی حیثیت میں، بطورِ خاندان کے سربراہ کے، اس کی اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر اور کوشش کرے۔ ارشاد ہوا! سورۃ التحریم کی آیت نمبر 6 میں ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ" ﴿وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ "جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں" ﴿عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ﴾ "اس پر بڑے سخت مزاج زورآور قسم کے فرشتے معیّن[1]

(۱) مقرر

ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جو بھی حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے" ﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ "اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔" ایمان والوں سے خطاب ہو رہا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ وہ جہنم جو اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے (استغفر اللہ) اور جس کے تصور سے انسان کانپ کر رہ جاتا ہے (اللہ اکبر)۔

جا بجا قرآن حکیم میں جہنم کے عذابوں کا ذکر آتا ہے۔ کبھی قرآن کہتا ہے کہ ان کے اوپر بھی آگ، ان کے نیچے بھی آگ، کبھی قرآن حکیم کہتا ہے کہ ان کو زنجیروں سے باندھا جائے گا۔ کبھی قرآن حکیم فرماتا ہے کہ ان کو ستونوں سے باندھا جائے گا۔ کبھی قرآن کریم فرماتا ہے کہ کانٹے دار جھاڑیاں ان کو کھانا پڑیں گی، کہیں قرآن حکیم فرماتا ہے کہ کھولتا ہوا پانی جہنمیوں کو پینے کے لیے دیا جائے گا، کہیں فرماتا ہے کہ ان کو ہتھوڑے مارے جائیں گے، کبھی قرآن حکیم فرماتا ہے کہ زخموں کی پیپ ان کو پینا پڑے گی۔ کبھی قرآن حکیم بتاتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی کھال جلے گی اور پھر ان کی کھالیں بار بار تبدیل کی جائیں گی تاکہ وہ مستقل عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔

ہم تو اپنی اور کسی اور کی یا اپنے گھر والوں کی انگلی کو بھی چولہے کی آگ میں جلتا دیکھنا گوارا[1] نہیں کر سکتے۔ انسان تو بڑی بات ہے، ہم تو ایک جانور کو بھی خواہ وہ کتا ہو یا بلی، اس کو بھی آگ میں جلتا دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔ تو ظاہری بات ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ اپنے پیاروں کے بارے میں ہم بے فکر ہو کر بیٹھ جائیں۔ آج ہم اپنے گھر والوں کو دنیا کی گرمی سے بچانے کیلئے کتنا جتن کرتے ہیں؟ لیکن ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کے بارے میں ہم کتنے فکر مند ہیں؟ اس اہم ترین ذمہ داری کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ دلا رہے ہیں۔ ایک عظیم اکثریت اس بات کو بھلا دیتی ہے۔ قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ بچوں کے کپڑوں کا خیال رکھو، بچوں کے کھانے پینے کا خیال رکھو، سکول کا خیال

---

(۱) پسند کرنا

رکھو، بیمار ہو جائے تو دَوا دارُو کا انتظام کرو۔ کیوں! اس کی یاد دہانی کی ضرورت نہیں۔ یہ سارے کام تو ہر شخص کر رہا ہے۔ مسلمان کا فرسب ہی کر رہے ہیں مگر جس اہم ترین ذمہ داری کو ایک عظیم اکثریت فراموش کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کے بارے میں بتا رہا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ وہ جہنم جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ پتھروں سے مراد یا تو پتھر کا کوئلہ ہے جس کی حرارت کی شدت بھی زیادہ ہوتی ہے یا پھر مراد وہ بت ہیں جن بتوں کی پوجا پاٹ کی گئی تھی ان بتوں کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا اور ان کی پوجا پاٹ کرنے والوں کی ذلّت (۱) میں اور اضافہ کیا جائے گا۔

آگے فرمایا کہ اس پر بڑے سخت مزاج زور آور قسم کے فرشتے مقرر ہیں ان کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم بھی دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ ان فرشتوں میں نرمی کا کوئی مادہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ ان کا کام ہی جہنم والوں کو عذاب دینا ہوگا اور اس میں وہ کوئی کمی نہیں کریں گے (اَللّٰھُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ) اے اللہ ہم سب کو آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ ہم جو اپنے بچے کی انگلی بھی چولہے کی آگ میں جلنا گوارا نہیں کر سکتے۔ کبھی سوچیں اس بارے میں اگر ہم میں سے کوئی جہنم کی آگ کا نوالہ بن جائے تو کیا حشر ہو جائے گا اللہ اکبر! آج ہمارے گھروں میں کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت کی تعلیم کا اہتمام ہے؟ کیا ہم فکرمند ہیں کہ ہم اور ہمارا گھرانہ جنت میں داخل ہو اور جہنم سے بچا لیا جائے کیا اس بات کی فکر ہے؟

ہم اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر کرتے ہیں جبکہ سب سے بڑا مستقبل تو آخرت کا ہے۔ لوگوں کو بڑی فکر ہے میرے مرنے کے بعد میرے بچوں کا کیا ہوگا۔ کبھی ہم نے سوچا ہمارے بچوں کے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا۔ کل ہم کہاں ہوں گے، ہمارے

---

(۱) رسوائی

بچے کہاں ہوں گے؟ کیا ہم جنت میں ہوں گے؟ کیا ہمارا گھرانہ ایک جنتی گھرانہ ہوگا؟ کیا ہمارے گھر والے ہمیشہ کے گھر یعنی جنت میں ہمارے ساتھ ہوں گے؟ ہمیں اس کے لئے محنت کرنی ہے خود دین سیکھنا اور گھر والوں کو سکھانا ہے۔ دین کے ماحول سے جوڑنے کی کوشش کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے جوڑنے کی کوشش کرنی ہے۔ کیا آج میری اور آپ کی ترجیحِ اول یہی ہے؟ کہ میں اور میرا گھر جہنم سے بچا لیا جائے اور میرے گھر کے تمام افراد جنت میں داخل کر دیئے جائیں۔ کیا یہ میری اور آپ کی فکر ہے؟ اگر اولاد کو نیک بنایا جائے تو وہ صدقہ جاریہ ہے، حدیث مبارک کے مطابق بیوی اگر نیک ہے تو ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور گھر میں ایمان کی آبیاری ہو، گھر میں نیکیوں کی بات کی جا رہی ہو، گھر میں گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہو، گھر میں دین پر عمل کرنے کی بات چیت ہو رہی ہو تو کتنا خوبصورت نقشہ ہوگا جب اس پورے گھرانے کو اللہ تعالیٰ جنت میں جمع فرما دے گا۔

(اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ) اے اللہ ہم تجھ سے جنت الفردوس کا سوال کرتے ہیں۔ اور اے اللہ ہم سب کو آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔

آمین – یارب العالمین!

درس نمبر 19

سورۃ الاحزاب: آیت نمبر 21

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا ؕ﴿۲۱﴾﴾

ترجمہ: ”(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ایک بہترین نمونہ ہے (یہ اُسوہ ہے) ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور آخرت کی اُمید رکھتا ہو اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہو۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کا ہم نے انتخاب کیا ہے، وہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 21 ہے۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے حوالے سے قرآن مجید کی بہت معروف آیت ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے“ ﴿لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ﴾ ”اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو۔“ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا معاملہ، آخرت کے دن کی پیشی کے معاملہ کا اسے یقین ہو ﴿وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا﴾ ”اور کثرت سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کرے۔“ یہاں پر معروف بات ہے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ذکر ہے البتہ اس آیت کریمہ کے سیاق وسباق Context کو اور اس میں بیان کردہ شرط کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اللہ رب العالمین نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے آخری رسول کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا اور ان کی زندگی کو ہمارے لیے بہترین نمونہ قرار دیا۔ یہ تمام امور کے اعتبار سے ہے۔

عبادات کا معاملہ ہو یا اخلاقیات کا، معاملات کا معاملہ ہو یا حقوق کا، زندگی کے انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی معاملات، زندگی کے تمام گوشوں کے لیے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات میں بہترین اسوہ حسنہ، اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر ادا اور ہر ہر عمل بہت قیمتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روزمرہ کے آداب ہوں یا سونے جاگنے کے آداب، پانی پینے کے آداب ہوں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نشست و برخاست کے معاملات۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی کس طرح منائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غم کے موقع کے لیے اپنی اُمت کی کیا رہنمائی کی۔ ہر ہر ادا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیمتی ہے البتہ اس آیت کریمہ سے قبل کی آیات اور اس کے بعد کی آیات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہاں غزوۂ احزاب، یعنی غزوۂ خندق کا تذکرہ آرہا ہے کہ جس موقع پر سارے عرب سے ایک بہت بڑا لشکر یکجا[1] ہوکر آگیا اور مسلمانوں کا مدینہ شریف میں محاصرہ ہوگیا اس دوران اللہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ فرمانے کے بعد یہ طے فرمایا کہ خندقیں کھود کر مدینہ شریف کا دفاع کیا جائے۔ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ فرمانے کے بعد صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ خندق کھودنے کے عمل میں خود بھی مصروف رہے اور اپنے صحابہ کرامؓ کی طرح خود بھی مشقتوں کو جھیلا۔ آپ نے بھی اپنے پیٹ پر پتھر باندھے۔ یہ ساری مشقتیں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جھیلیں، اس سیاق وسباق Context میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ "یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے" یہ بہت اہم نکتہ ہے سمجھنے کا کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ احزاب کے موقع پر بھی کھڑے ہیں ساری مشقتیں بھی آپ نے جھیلیں ہیں کدال بھی آپ نے چلائی ہے، خندقیں بھی آپ نے کھودی ہیں، اللہ اکبر! صحابہؓ نے جو مشقتیں جھیلیں وہ آپ نے بھی جھیلیں۔ ایک صحابیؓ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا ہے تاکہ میں بھوک کو دبا سکوں اور برداشت کرسکوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا وہاں دو پتھر بندھے ہوئے ہیں، اللہ اکبر! اس واقعے کو بیان کرنے سے مراد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے پیچھے نہیں بلکہ

---

(۱) اکٹھا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آگے بڑھ کر ہیں۔ گویا 23 برس کی جدوجہد کے دوران غزوۂ احزاب کا موقع بھی آیا ہے۔ اور اس غزوہ احزاب پر اللہ تعالیٰ کا یہ تبصرہ ہے اور اس تبصرے کے دوران یہ آیت کریمہ آ رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر سنت قیمتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ادا قیمتی ہے، مسواک کرنا بھی قیمتی ہے، خوشبو لگانا بھی قیمتی ہے، ہر ہر ادا قیمتی ہے، البتہ کبھی طائف کی گلیوں میں جا کر بھی مسواک کرنا پڑے گی، کبھی اُحد کے میدان میں جا کر بھی خوشبو لگانا پڑے گی، یہ تصور آج امت کے ذہنوں سے محو [۱] ہو گیا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے اس سارے سیاق و سباق میں ساری جدوجہد کو سامنے رکھو تو تمہارے لیے بہترین نمونہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں موجود ہے۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اب اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کی دعوت اور اس کے دین کی سربلندی کی جدوجہد ہم سب مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ یہ ہے جو اس آیت کریمہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ ﴿ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ ”جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو“، کہ اسے ایک دن اللہ کے حضور پیش ہونا ہے ”اور وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا بھی ہو۔“ مراد ہے کہ محض دعویٰ کافی نہیں، جسے کل کا یقین ہوگا، کل کی پیشی کا یقین ہوگا، کل کی حاضری کا یقین ہوگا وہ اللہ کا ذکر بھی کثرت سے کرے گا صرف وہی اسوہ حسنہ سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ جب بارش برستی ہے تو جو چاہے فائدہ اٹھا لے اور جو برتن کو اُلٹا کر کے رکھ دے، اس کو پانی نہیں ملے گا، اسوہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین ہے مگر جس کے پیشِ نظر آخرت کی جوابدہی [۲] کا احساس ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرے گا، اس کو اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ [۳] سے بھرپور استفادہ [۴]

---

(۱) گُم (۲) بازپرس- ذمہ داری (۳) نمونہ (۴) فائدہ حاصل کرنا

کا موقع ملے گا۔ اللہ تعالیٰ زندگی کے تمام امور، انفرادی و اجتماعی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل پیروی کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

آمین- یارب العالمین!

درس نمبر 20

سورۃ الحجرات: آیت نمبر 11

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۱

ترجمہ: ”اے اہل ایمان! تم میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ (اسی طرح) عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور اپنے آپ کو عیب مت لگاؤ اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے چڑانے والے نام رکھا کرو۔ ایمان کے بعد تو برائی کا نام بھی برا ہے۔ اور جو باز نہیں آئیں گے وہی تو ظالم ہیں۔“

آج کی آیت کے حوالے سے جس آیت کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 11 ہے۔ یہاں معاشرتی حوالے سے رہنمائی عطا کی گئی ہے اور کچھ مجلسی برائیاں جو دوسروں کی موجودگی میں کی جاتی ہیں، ان میں سے تین کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہ برائیاں ہیں جو دلوں کو پھاڑ دیتی ہیں مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ[1] کردیتی ہیں۔ ان سے بچنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ ارشاد ہوا ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو“ ﴿لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ﴾ ”مرد، مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، عین ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے

(ا) ٹکڑے ٹکڑے کردینا

وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں" ﴿وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ﴾ "اور نہ عورتیں، عورتوں کا مذاق اڑائیں" ﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّکُنَّ خَیۡرًا مِّنۡهُنَّ﴾ "عین ممکن ہے کہ جن کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہ مذاق اڑانے والی عورتوں سے بہتر ہوں۔"

پہلی ہدایت جو دی جارہی ہے کہ مذاق نہ اڑایا جائے، ایک ہے مذاق کرنا، جس میں جھوٹ نہ ہو، کسی کی تحقیر[1] نہ ہو، لائٹ موڈ میں کوئی گفتگو ہو جائے جو مخاطَب کو بُری محسوس نہ ہو۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن ہمارے ہاں جو کچھ ہوتا ہے اس میں جھوٹ سے سلسلہ شروع ہوتا ہے، تذلیل پر ختم ہوتا ہے، حقارت سے دیکھنے پر ختم ہوتا ہے، کسی مسلمان کی تذلیل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلنا حرام ہے۔ مردوں کا ذکر علیحدہ ہے اور عورتوں کا ذکر علیحدہ ہے۔ کیونکہ دین نے ہمیں جو مزاج عطا کیا ہے اس میں مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط[2] کی گنجائش نہیں ہے۔ باقی اس میں اور بھی تفصیلات ہیں۔ کبھی کسی کی شکل وصورت کا، کبھی کسی کے لباس کا، کبھی کسی کی مالی کمزوری کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ان تمام معاملات کے حوالے سے یاددہانی کرائی جارہی ہے۔ ان تمام کیفیات میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو رکھا ہے۔ اب مذاق اڑانے میں یا کسی کو حقیر ثابت کرنے میں گویا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اعتراض کر رہا ہے۔ یہ تو جرم سے بھی بڑھ کر مزید بڑا جرم کرنے والی بات ہے۔ اس سے دل پھٹ جاتے ہیں اور برسوں کے رشتے اور تعلقات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کا حل وہی ہے جو انگریزی کی ایک کہاوت میں بیان ہوا ہے کہ Nip the evil in the bud برائی کو پنپنے سے پہلے جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔ لہٰذا ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ۔ ایسا مذاق جس میں تحقیر کا پہلو ہوتا ہے جس میں دوسرے کی تذلیل کا پہلو ہوتا ہے، اس سے منع کیا گیا ہے۔

دوسری معاشرتی برائی کے حوالے سے تذکرہ آرہا ہے کہ ﴿وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا

---

(۱) حقیر سمجھنا (۲) میل جول

﴿اَنۡفُسَکُمۡ﴾ ”اور اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ“ یہ تو بہت عجیب ترجمہ لگ رہا ہے! اصل میں تو بندہ دوسرے میں عیب نکالتا ہے، دوسرے پر لعن طعن کرتا ہے لیکن اپنے مسلمان بھائی میں عیب نکالنا، اپنے مسلمان بھائی پر لعن طعن کرنا دراصل اپنے آپ کو ہی عیب لگانے کے مترادف[1] ہے کیوں؟ احادیث مبارکہ کے مطابق یہ امت ایک جسدِ واحد[2] کی مانند ہے یہ امت ایک عمارت کی مانند ہے آج اگر میں اپنے مسلمان بھائی پہ عیب لگاتا ہوں یا لعن طعن کرتا ہوں، نکتہ چینی کرتا ہوں، اور ”لمز“ کا یہ مطلب بھی ہے کہ کسی پر پھبتی چُست کی جائے، جُگت بازی کی جائے، گویا ان سب باتوں کے نتیجے میں، میں اپنا ہی نقصان کر رہا ہوں تو فرمایا گیا ﴿وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ﴾ ”اور اپنے آپ کو عیب نہ لگاؤ۔“ اس میں عیب لگانا، نکتہ چینی کرنا، لعن طعن کرنا، دوسرے کو طیش میں لانے کی کوشش کرنا یہ سب گھٹیا حرکتیں اس میں شامل ہے۔ یہ بھی مسلمان بھائی کی عزت سے کھیلنے کے مترادف ہے جو کہ قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور اسی طرح کے فقرے چست کرنے کے نتیجے میں، گفتگو کے نتیجے میں دل پھٹتے ہیں اور مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے یہ دوسری برائی ہے جس سے روکا گیا۔

تیسری برائی کے بارے میں فرمایا گیا ہے! ﴿وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ﴾ ”اور باہم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو“۔ یعنی کسی کا نام بگاڑ دینا یا کسی کا چڑانے والے نام رکھنے کی کوشش کرنا کسی کی معذوری کا معاملہ ہو یا کسی کا کوئی خاص پروفیشن ہو یا ایسا کاروبار یا ایسی معاشی سرگرمی Activity کر رہا ہو جو کم آمدنی والا پروفیشن ہو مثلاً کہا جائے کہ یہ تو جھاڑو لگانے والا ہے، یہ جمعداروں والا کام کرتا ہے، یہ جو انداز ہوا کرتا ہے اور یہ بُرے نام رکھ دیئے جاتے ہیں کبھی کسی کے ماضی پر لعن طعن کا معاملہ کیا جاتا ہے، ماضی کے کسی عیب کا ذکر کر کے اسے طیش دلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی کوئی کفر پر تھا اب وہ اسلام کی طرف آ گیا اس کے ماضی کے کفر کا اس کو طعنہ دیا جاتا

---

(۱) ہم معنی (۲) ایک جسم

ہے۔ یہ بھی مسلمان بھائی یا بہن کی تذلیل ہے یہ بھی اس کی حُرمت سے کھیلنا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح ذوالحجہ کا مہینہ، عرفہ کا دن اور حدودِ حرم کی حرمت پامال کرنا تم پر حرام ہے اسی طرح تم پر ایک دوسرے کی جان، مال اورعزت و آبرو سے کھیلنا بھی حرام ہے۔ فرمایا! ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ﴾ "ایمان لانے کے بعد بُرے نام رکھنا یہ فسق کا معاملہ ہے۔" اس کے دو پہلو بیان کیے گئے۔ ایک تو بندہ صاحبِ ایمان ہو اور دوسرے کے برے نام رکھے، اس کو چِڑانے کی کوشش کرے۔ مؤمن کی ذات دوسروں کے لئے امن کا باعث ہوتی ہے اور ایک یہ کہ کوئی ماضی میں کفر کی طرف تھا اب اسلام کی طرف آ گیا اب اس کو کفر کا طعنہ دیتے ہو یا ماضی میں کوئی کسی گناہ میں مبتلا تھا اور اب اس نے توبہ کر لی تو تم اس کے گناہ کا اس کو طعنہ دیتے ہو بہت غلط بات ہے۔ ایمان کے بعد گناہ یہ برا نام، یہ بڑا فسق کا معاملہ ہے، گناہ کی بات ہے، ایمان والا تو دوسروں کے لیے امن کا باعث بنتا ہے، سلامتی کا باعث بنتا ہے۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ "اور جو باز نہ آئیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔"

یہ ہدایات معاشرت کے لیے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو ان حرکتوں کو نہیں چھوڑتا ان مجلسی برائیوں سے باز نہیں آتا یہی لوگ ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ پس ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ، ایک دوسرے کی تحقیر نہ کرو، اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ، لعن طعن نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے القاب یا برے نام نہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ ان مجلسی برائیوں (مجلسی برائیوں سے مراد ایک دوسرے کی موجودگی میں سامنے بیٹھ کر جو یہ کام کیے جاتے ہیں) سے ہماری حفاظت فرمائے اور ہمارے دلوں کو جوڑے رکھے۔

آمین- یارب العالمین!

درس نمبر 21

سورۃ العنکبوت: آیت نمبر 69

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ؀ۧ﴾

ترجمہ: ”اور جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم لازماً ان کی راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف۔ اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے قرآن حکیم میں سے سورۃُ العنکبوت کی آخری آیت نمبر 69 کا انتخاب کیا ہے اللہ رب العالمین نے یہاں بہت خوبصورت انداز میں اپنے بندوں کو ترغیب [1] دلائی ہے کہ جو اس کی راہ میں جہاد کریں گے، اللہ تعالیٰ اپنے راستوں کی ہدایت ان کو عطا فرما دے گا۔ ارشاد ہوتا ہے سورۃ العنکبوت کی آخری آیت، آیت نمبر 69 میں ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور انہیں اپنے راستوں کی ہدایت عطا فرمائیں گے اور بے شک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ عمدگی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہاں پر لفظ جہاد آیا ہے۔ یہ سُورۃ العنکبوت مکی سورۃ مبارکہ ہے۔ مکی سورتوں میں بھی جہاد کا لفظ آتا ہے اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے جہاد کا لفظ جُہد سے ہے۔ جدوجہد کا لفظ ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ محنت کرنا، کوشش کرنا، ہاں مدنی سورتوں میں مثال کے طور پر سورۃ التوبہ میں غزوہ تبوک کے بیان کی روشنی میں جہاد کا لفظ جب فی سبیل اللہ کے ساتھ آتا ہے تو اس سے قتال فی سبیل اللہ بھی مراد لیا گیا ہے۔ جبکہ جنگ کے لیے ہمیشہ قتال کا لفظ آتا ہے البتہ جہاد کا لفظ مسلسل بار بار کوشش کے لیے، Struggle کے لیے،

(۱) رغبت-شوق

محنت کے لیے آتا ہے اور کبھی کبھی وہ جنگ کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

یہ مکی سورۃ مبارکہ ہے اور اللہ تعالیٰ یہاں جہاد کے لفظ کو استعمال فرما رہا ہے۔ یہ ایک مستقل عنوان ہے محنت کا۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے کے لیے محنت کرنی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں اپنے آپ کو کھپانا ہے۔ یہ جو گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا ہے، نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا ہے، منکرات سے اپنے آپ کو بچانا ہے، اب یہ سب محنت والے کام ہی تو ہیں، اللہ رب العالمین کے دین کی دعوت پیش کرنے کے لیے، کیوں کہ ختمِ نبوت کے بعد اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری اب ہم مسلمانوں کے کاندھوں پر ہے اس کے لیے بھی محنت کرنی ہے۔ اس کے لیے بھی جدوجہد ہے۔ یہ ایک مستقل عمل ہے اور ہماری ایک مستقل ذمہ داری ہے۔ پھر اللہ رب العالمین کے عطا کردہ دینِ حق کو غالب کرنے کی جدوجہد کرنا، اقامتِ دین کے لئے محنت کرنا، نفاذِ دین کے لئے محنت کرنا، یہ بھی ہمارے ذمہ فرض ہے۔ ان تمام سطحوں پر اللہ کی بندگی کے لیے محنت، فرائض وواجبات ادا کرنے کے لیے محنت، حرام اور منکرات سے بچنے کے لیے محنت، اللہ کے دین کی دعوت کو عام کرنے کے لیے محنت، اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لیے جدوجہد اور محنت، ان ساری محنتوں کا جامع عنوان ہے "جہاد فی سبیل اللہ"۔ فرمایا جا رہا ہے کہ "اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں گے کوشش کریں گے محنت کریں گے ہم ضرور اپنے راستوں کی ہدایت ان کو عطا فرمائیں گے"۔ یہ بڑا عجیب انداز ہے ترغیب وتشویق کا، اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والا راستہ ایک ہے، کون سا بھلا؟ ﴿صراطِ مستقیم﴾ لیکن اللہ تعالیٰ بندے کو کہاں کہاں سے نصرت [1] عطا فرمائے، کہاں کہاں سے اس کی مدد فرمائے، کہاں کہاں سے اس کے لئے راستے کھول دے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے بہت سارے پہلو ہیں اللہ تعالیٰ کہاں کہاں سے مدد فرمائے وہی بہتر جانتا ہے۔

---

(۱) مدد

راستہ ایک ہے "صراطِ مستقیم" جو بندے کو اللہ کی طرف لے جانے والا ہے مگر اس راستے پر آنے اور اس پر چلنے کے لئے اللہ مختلف انداز سے بندے کی مدد فرماتا ہے۔ لہٰذا فرمایا جا رہا ہے کہ "اور جو ہماری راہ میں جہاد کریں گے محنت کریں گے Struggle کریں گے تو ہم ضرور اپنے راستوں کی ہدایت ان کو عطا فرما دیں گے"۔ اب یہ بندے پر منحصر ہے کہ بندہ محنت کرتا ہے کہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی تو شانِ کریمی ہی لاجواب ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے جو کہ حدیثِ قُدسی ہے۔ "اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ میرا بندہ اگر مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے دل میں یاد کرتا ہوں۔ میرا بندہ کسی مجلس میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس فرشتوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔ میرا بندہ ایک بالشت میری طرف آتا ہے تو ایک ہاتھ بھر میں اس کی طرف آتا ہوں۔ میرا بندہ ایک ہاتھ بھر میری طرف آتا ہے تو میں دو ہاتھ بھر اس کی طرف آتا ہوں۔ میرا بندہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔" اللہ کی عطا میں کوئی کمی نہیں۔ مسئلہ ہمارا ہے؟ اللہ کی طرف پلٹنا، اللہ کی طرف رجوع کرنا، اللہ کے دین کو سیکھنا، اللہ کے دین پر عمل کرنا، اللہ کے احکامات کی پاسداری[1] کرنا، اللہ کے دین کے لئے دعوتِ دین کا کام کرنا، اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اقامتِ دین، نفاذِ دین کی جدوجہد کرنا۔ بندہ ایک قدم آگے بڑھے گا اللہ تعالیٰ دس قدم آگے بڑھ کر اس کی مدد فرمائے گا۔ بندہ چل کر آئے گا اللہ تعالیٰ دوڑ کر اس کی مدد کو آئے گا۔ یہ ترغیب و تشویق ہے جو اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور ہم سب کو عطا فرما رہا ہے۔

آگے ارشاد ہوا ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ "اور بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے"۔ محسنین، حسن کے لفظ سے بنا ہے۔ یعنی عمدگی کے ساتھ عمل کرنے والے، نمازوں کے بعد دُعا اللہ کے نبی ﷺ نے سکھائی (اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ) اے اللہ! میری مدد فرما! اپنے ذکر کے لیے اور اپنے

(۱) لحاظ کرنا

شکر کے لیے اور اپنی عبادت کے لیے، اللہ کی معیت، اللہ تو سب کے ساتھ ہے، کافر کا دل دھڑکتا ہے تو اللہ کے اذن سے، مگر اللہ کا خصوصی ساتھ کن لوگوں کے لئے ہے بتایا جا رہا ہے؟ ﴿وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے۔" یعنی جو اعمال کو، نیکیوں کو، عبادات کو عمدگی ساتھ پورے آداب کے ساتھ اور پورے حسن کے ساتھ انجام دیتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت میسر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی راہ میں مستقل جہاد کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اپنے محسنین بندوں میں ہم سب کو شامل فرما کر اپنی خاص معیّت اور نصرت ہم سب کو عطا فرمائے۔

آمین - یارب العالمین!

درس نمبر 22

سورۃ حٰمٓ السَّجْدَۃ : آیت نمبر 33

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۳۳﴾

ترجمہ:"اور اُس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہوگی جو بلائے اللہ کی طرف اور وہ نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے سورہ حٰم السّجدہ کی آیت نمبر 33 کا انتخاب کیا ہے۔ دعوتِ الی اللہ، اللہ رب العالمین کی طرف لوگوں کو بلانا، اس تعلق سے رہنمائی دی جارہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾"اور اس سے بہتر قول کس کا ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی" ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ "اور اس نے عمل کیا نیک" ﴿وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ "اور وہ یہ بھی کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" پہلی بات یہ کہ یہاں "احسن" کا لفظ آیا ہے انگریزی میں اسے کہیں گے کہ یہ Superlative ڈگری ہے The Best سب سے بہترین بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس کی ہے؟ جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے۔ زبان بڑی قیمتی شے ہے، بڑی قیمتی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ اسی زبان کو لوگ استعمال کرتے ہیں خیر کے کاموں کے لیے بھی اور شر کے کاموں کے لیے بھی، جائز امور میں بھی اور ناجائز میں بھی، اس کے علاوہ بہترین سے بہترین پروفیشن ہیں جن میں زبان کے استعمال سے لاکھوں کروڑوں روپے کمائے جاتے ہیں اور کچھ ناجائز کاموں کے اندر بھی، جھوٹ بول کر اور جھوٹے مقدمے لڑ کر لاکھوں کروڑوں روپے حرام کے بھی کمائے جارہے ہوتے ہیں۔ بہرحال اس زبان کی بڑی اہمیت ہے۔ اپنا

مافی الضمیر[۱] بیان کرنے کیلئے جو انسان کو عطا کی گئی ہے۔ زبان تو استعمال ہو رہی ہے، مثبت پہلو میں بھی، منفی پہلو میں بھی۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس زبان کا بہترین استعمال کیا ہے؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا اور آج زبان سے مراد یہ گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے جس سے بول کر ہم اپنی بات کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ بلکہ آج جتنے بھی ذرائع ابلاغ means and mediums of communication ہو سکتے ہیں اور دستیاب ہیں جن کے ذریعے ہم اپنی باتیں ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں۔ اپنے خیالات Exchange کرتے ہیں، ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں۔ اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ٹیکسٹ کے ذریعے سے، اشاروں اور کارٹونوں کے ذریعے سے، آڈیو کے ذریعہ سے، ویڈیو کے ذریعے سے، ایس ایم ایس اور ایم ایم ایس کے ذریعے سے، اینی میشن (Animation) یا گرافکس وغیرہ کے ذریعے سے۔ بات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے یہ آج جتنے بھی ذرائع دستیاب ہیں ان سب کو زبان کے تحت ہی سمجھنا چاہیے۔ یہ تمام آلات ہوں، یہ صلاحیتیں یا مہارتیں ہوں، ان کا بہترین استعمال کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو دعوت دینا۔ کیوں؟ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے بہترین کون ہے؟ انبیاء علیہم السلام اور وہ سب اسی کام میں لگے ہوئے تھے۔ ان سے بہتر کام کسی کا کام نہیں ہوسکتا۔ اب ختمِ نبوت کے بعد دعوتِ دین کا فریضہ انجام دینا ہم اُمتیوں کے کاندھوں پر ہے۔ ہماری بھی زبان، ہمارے بھی وسائل، ہماری صلاحیتیں اور مہارتیں، ہمارے بھی تجربات ہمارے گھرانے، ان سب کا بہترین مصرف اور استعمال کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلانا۔

ہاں! اس میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ کسی خاص گروہ یا فرقہ یا مسلک کی دعوت نہیں۔ وہ ترجیح کے لئے ہوتا ہے فقہی مسائل میں کوئی کسی ایک مسلک کو ترجیح دیتا ہے کوئی

---

(۱) دل کی بات۔ مقصد

دوسرے مسلک کو ترجیح دیتا ہے سر آنکھوں پر! لیکن تبلیغ یا دعوت کسی مسلک کی نہیں بلکہ "دین" کی ہونی چاہیے۔ دوسری ہدایت جو یہاں دی جا رہی ہے ﴿وَعَمِلَ صَالِحاً﴾ اور اس نے عمل کیا نیک۔ اللہ کی طرف جو دعوت دینی ہے تو پورے کے پورے دین کی دعوت دینی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر۔ ایسا نہ ہو کہ دین کی دعوت تو دی جا رہی ہو لیکن دعوت دینے والے کا اپنا کردار اس کے برعکس ہو۔ اور ہم جو دعوت پیش کر رہے ہیں حق کی تو ہمارا کردار بھی اس کی گواہی پیش کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سورۃ الصّف میں! ﴿كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ﴾ یہ بات اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناراض کر دینے والی ہے کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ تو دعوتِ دین کے عمل کے ساتھ ساتھ داعی کا کردار بھی اس کی گواہی پیش کرے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے چالیس برس کا کردار پیش کیا ہے اور پھر دعوتِ دین کا کام شروع کیا۔ یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ صداقت اور امانت کی گواہی پہلے آئی ہے اور پھر 40 برس کے بعد وحی کا آغاز ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوتِ دین کا کام شروع کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کا آخری حصہ ہے ﴿وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور وہ کہے کہ بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ دعوت دینے والا دوسروں کو حقیر[1] سمجھنے لگے۔ بلکہ یوں ہو کہ بھائی! میں بھی تمہاری طرح اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ تم بھی مسلمان، میں بھی مسلمان، یہ مسلمانوں کے درمیان میں دعوت کے کام کی بات ہو رہی ہے۔ دعوت تو غیر مسلموں کو بھی دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک بھی پہنچایا جائے گا تو اس میں اشارہ ہے بندے کی عاجزی کی طرف کہ میں اپنے آپ کو کوئی شئے دیگر نہیں سمجھتا، تمہیں حقیر نہیں سمجھتا اور ایک اور نکتہ یہ بھی ہے کہ کسی مسلک، گروہ، سے تعلق ہونا الگ شے ہے، ایک اجتماعیت میں جڑے ہونا ایک الگ شے ہے لیکن ہمارا تعارف کیا ہونا چاہیے کہ ہم مسلمانوں میں سے ہیں۔ تو مسلک پرستی کی بھی نفی ہو رہی ہے، فرقہ

---

(۱) کم تر

واریت کی بھی نفی ہورہی ہے اور عاجزی کا بھی ذکر آرہا ہے اور ایک یہ بھی کہ معاشرہ کتنا ہی برائی کی طرف چلا جائے میں تو مسلمان ہوں بھئی۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار رہوں گا۔ یہ سارے پہلو اس جملے میں بیان ہوئے ہیں۔ ﴿وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اور وہ یہ کہے کہ میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں۔ یہ ترغیب وتشویق اللہ تعالیٰ ہمیں دلا رہا ہے۔ سب سے بہترین اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے بھی ہوں اور عمل بھی وہ نیک کرنے والے ہوں۔ اور وہ فرقہ واریت کی نفی کریں، ان کے اندر انتہائی عاجزی وانکساری ہو اور وہ اپنے آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کا ہی فرماں بردار بنانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ دعوتِ دین کے کام کے لیے ہم سب کو توفیق عطا فرمائے اور اپنے فرماں بردار بندوں میں مجھے، آپ اور ہم سب کو شامل فرمائے۔

آمین – یارب العالمین!

درس نمبر 23

سورۃ التوبہ: آیت نمبر 112

﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ ﴾

ترجمہ: ”توبہ کرنے والے، (اللہ کی) بندگی کرنے والے، (اللہ کی) حمد کرنے والے، دُنیوی آسائشوں سے لاتعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان اہلِ ایمان کو بشارت دے دیجیے“۔

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 112 کا انتخاب کیا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کی ”نو“ بہت قیمتی صفات کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنّتُ الفردوس عطا فرمائے۔ آج محنت کرنے کی مہلت موجود ہے۔ جو کل مرنے کے بعد موجود نہیں ہوگی اور یہ محنت ہمیں کرنی ہے۔ اور کیا کیا محنتیں کرنی ہیں؟ جا بجا قرآن کریم میں اس کا تذکرہ آیا ہے اس مقام پر ”نو“ صفات کا ذکر ہے۔ چھ صفات تو وہ ہیں جو ہر ہر بندہ مؤمن سے انفرادی طور پر مطلوب ہیں۔ اور تین صفات وہ ہیں جو اہلِ ایمان کی اجتماعی ذمہ داریاں ہیں۔

دعوتِ دین اور نفاذِ دین کی جدوجہد کے حوالے سے سب سے پہلے ارشاد ہوا!

”اَلتَّآئِبُوْنَ“ توبہ کرنے والے۔ توبہ ایک مستقل عمل ہے۔ صرف گناہوں پر ہی توبہ نہیں کی جاتی بلکہ نیکیوں پر بھی توبہ کی جاتی ہے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو معصوم ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا عمل تھا؟ فرض نماز کا سلام پھیر کر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ تین مرتبہ پڑھتے تھے۔تو معلوم یہ ہوا کہ توبہ مستقل کیا جانے والا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کثرت سے اِستغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔توبہ کا اہم مفہوم ہے گناہوں کو چھوڑ کر واپس پلٹ آنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی فرماں برداری کی طرف سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

"اَلْعٰبِدُوْنَ" دوسری صفت بیان ہوئی"عبادت کرنے والے" اللہ تعالیٰ ہمارا معبود ہے۔ہم اس کے"عبد"یعنی اس کے بندے ہیں۔اللہ تعالیٰ 24 گھنٹے ہمارا معبود ہے۔ اس کی بندگی بھی 24 گھنٹے کرنی ہے۔نماز، زکوۃ، روزہ، حج تو بڑی بڑی عبادات ہیں۔خوشی کا موقع ہو یا غمی کا موقع، گھر کی زندگی ہو یا کاروبار، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے سامنے اپنے آپ کو جھکائے رکھنا یہ 24 گھنٹے کی بندگی ہم سے مطلوب ہے۔

"اَلْحٰمِدُوْنَ" تیسری صفت ہے"حمد کرنے والے" حمد میں شکر کا پہلو بھی ہے پانی پی لیا تو الحمدللہ، کھانا کھا لیا تو (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ) اللہ کے نبیٔ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ساری دعائیں ہمیں سکھائیں ہیں۔ان دعاؤں کو اپنے معمولات میں شامل کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ مزید نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اللہ فرماتا ہے! ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ "کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے" اور دو مرتبہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (سورۃ ابرھیم:34،سورۃ النحل:18)"اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو بھی تو شمار نہیں کر سکتے۔"لہٰذا بندے کا کام ہے شکر ادا کرتا رہے شکر ادا کرتا رہے۔

چوتھی صفت ہے۔"اَلسَّآئِحُوْنَ" اس کا ایک ترجمہ کیا گیا ہے روزہ رکھنے والے، ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا۔ دنیاوی لذتوں سے کنارہ کشی (۱) اختیار کرنے والے۔

(۱) الگ رہنا

اس کا یہ مطلب نہیں کہ رہبانیت [۱] اختیار کی جائے، وہ تو مسیحیت کے ماننے والوں نے اختیار کی۔ ہمارے دین میں رہبانیت کا کوئی تصور نہیں البتہ ایک مفہوم جہاد فی سبیل اللہ میں نکلنے والے، گھر بار کو چھوڑنے والے بھی مراد لیے گئے اور ایک عام ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے "روزہ رکھنے والے" کیونکہ روزے کی حالت میں بھی بندہ کچھ لذّاتِ دنیوی کو چھوڑ دیتا ہے۔ کھانے پینے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ رمضان المبارک کے روزے تو فرض ہیں اس کے علاوہ بھی مسنون روزے ہیں جن کا اہتمام نبی اکرم ﷺ فرماتے تھے جیسے شوال کے چھ روزے ہیں۔ ذوالحجہ کے نو دنوں کے روزے ہیں ہر مہینے کی 3 تاریخیں 13، 14 اور 15 قمری مہینے کے روزے ہیں۔ پیر اور جمعرات کے روزے ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے 9، 10 محرم کے روزے رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ پاک ہمیں نفل اور مسنون روزوں کا اہتمام کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

پانچویں اور چھٹی صفت ہے ﴿الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ﴾ "رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے"، اس سے ایک مراد نماز لی گئی ہے۔ فرض نماز تو ہم ادا کرتے ہی ہیں وہ فرض ہے۔ نوافل کی طرف بھی رجحان [۲] ہونا چاہیے۔ اس سے قربِ الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور پھر ایک ہے نماز میں جُھکنا، رکوع و سجود کرنا اور ایک ہے پوری زندگی میں جھکنا۔ مصلّے پر بھی اللہ کو بڑا مانیں اور مُصلّے کے بعد بھی پوری زندگی میں ہر لمحہ اور ہر موقع پر بھی اللہ کو ہی بڑا مانیں۔ یہ چھ صفات تو ایک ایک بندہ مؤمن سے مطلوب ہیں۔ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد اور شکر ادا کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے۔

اب اُمت کے تعلق سے تین مزید ذمہ داریاں ہیں۔ فرمایا! ﴿اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ نیکی کا حکم دینے والے ﴿وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور منکرات اور

---

(۱) ترکِ دنیا (۲) توجہ

بدی سے روکنے والے۔ یہ امّتِ مسلمہ اسی کام کے لیے کھڑی کی گئی ہے۔سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 110 کے مطابق کہ" نیکی کا حکم دینا ہے اور برائی سے روکنا۔" اکیلے اکیلے نیک بننا کافی نہیں، اب اس خیر کو پھیلانا ہے، جو ہم تک پہنچ چکا، اور جس طرح بدی سے ہم خود بچتے ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرنا، یہ ہمارا فرض ہے گھر میں اختیار ہے وہاں حکم چلے گا، باہر اختیار نہیں وہاں دعوت وتبلیغ ہے اور لوگوں کو سمجھانے کی کوشش ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ اختیار عطا فرمائے ان کے بارے میں سورۃ الحج کی آیت نمبر 41 میں بیان فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے نفاذ کے لیے اس اختیار کو استعمال کریں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ تم لازماً نیکی کا حکم دو گے، لازماً بدی سے روکو گے اور اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آجائے۔ اور پھر تم دعائیں کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول نہیں کرے گا یہ جامع ترمذی شریف کی روایت ہے۔تو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یہ بھی ہمارے فرائض میں شامل ہے۔

اور نویں صفت ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ "اور وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" حدود کا لفظ صرف سزاؤں کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔قرآن پاک میں وراثت کے احکامات، رمضان المبارک سے متعلق کچھ احکامات عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کا معاملہ بھی حدود اللہ میں شامل ہے۔ یہ حفاظت کب ہوگی؟ جب اللہ تعالیٰ کے احکامات نافذ ہوں گے۔ آج اگر سود کا نظام ہے، بے حیائی کا طوفان بھی ہے، شریعت کی سزاؤں پر عمل درآمد نہیں ہورہا۔اس کے علاوہ شریعت کے بہت سارے احکامات پر عمل نہیں ہورہا۔اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی کی جدوجہد ہم پر فرض ہے۔ دینُ اللہ قائم ہوگا پھر اس کے احکام کی حفاظت اور حدود کی حفاظت بھی ہوگی۔آج اگر دینِ اسلام کا نفاذ نہیں ہے تو اسے نافذ کرنے کی جدوجہد کرنا امت کے کاندھوں پر ہے۔اس کے بعد فرمایا کہ

﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ”اور اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ایمان والوں کو بشارت دے دیجیے۔“ جو لوگ یہ صفات اختیار کریں گے، انفرادی سطح کی ذمہ داریاں بھی اور اجتماعی سطح کی ذمہ داریاں بھی تو ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی کوشش کرنے والوں کے لیے جنت کی بشارت عطا فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان صفات کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

آمین- یارب العالمین!

درس نمبر 24

سورۃ التوبہ: آیت نمبر 119

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾﴾

ترجمہ: ”اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیّت اختیار کرو“۔

آج کی آیت کے حوالے ہم نے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 119 کا انتخاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور سچے لوگوں کے ساتھ جڑ جانے کی تلقین بھی ہمیں فرمائی ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 119 میں ارشاد ہوا،
”اے ایمان والو! اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“
اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ ایمان لا کر یعنی کلمہ پڑھ کر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا کافی نہیں بلکہ مستقل قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے خطاب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مقدور بھر تقویٰ بھی اختیار کرو یعنی دل میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا خوف رکھو کہ کہیں تم اس کی پکڑ میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ لہٰذا گناہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اگر بندے نے اپنے آپ کو گناہوں سے نہ بچایا تو اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پکڑ میں نہ آ جائے۔

اسی طرح ماہ رمضان کے روزوں کا مقصد یہ بتایا گیا، کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نامہ ہے مگر بتایا گیا ہے کہ اس قرآن کریم سے ہدایت ان کو ملے گی جن میں تقویٰ ہوگا۔ یہ تقویٰ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر اور کوشش کرنا۔ سیدنا عمرؓ نے ایک مجلس میں صحابہؓ سے تقویٰ کے بارے میں پوچھا! تو ابی بن کعبؓ نے جواب میں اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ ایک پگڈنڈی ہو یا تنگ راستہ ہو جس کے دائیں بائیں کانٹے دار جھاڑیاں

موجود ہوں تو آپ کیسے گزریں گے؟ تو سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ میں اپنے دامن کو بچا کر بچ بچ کر نکلنے کی کوشش کروں گا فرمایا اسی کا نام تقویٰ ہے۔ اس روایت کی تشریح کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ دنیا میں بہت سارے کانٹے ہیں، فرائض کو ترک کر دینے کے کانٹے، حرام میں مبتلا ہو جانے کے کانٹے، نماز، روزہ اور زکوۃ کو ترک کر دینے کا کانٹا، کہیں سود اور بے حیائی کے کاموں میں مبتلا ہو جانے کا کانٹا، حقوق العباد کو فراموش کر دینے کا کانٹا، یہ سب گناہوں کے کانٹے ہیں ان کانٹوں سے بچنے اور اللہ کی طرف لوٹنے (وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) کا نام تقویٰ ہے۔ اور یہ کب تک مطلوب ہے قرآن پاک میں ذکر ہے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 102 میں ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور تمہیں موت آئے تو اسلام یعنی فرماں برداری کی حالت میں موت آئے۔“

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر زندہ رکھے اور ایمان پر خاتمہ عطا فرمائے۔ اس آیت کریمہ کے دوسرے حصہ میں ارشاد فرمایا! ﴿وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ”اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا اور اللہ کی بندگی پر اکیلے اکیلے کاربند رہنا دشوار اور مشکل بات ہے۔ معاشرے کے اندر برائی بھی عام ہو رہی ہے، نفس کی شرارتیں بھی ہیں اور شیطان کے حملے بھی ہیں۔ شیطان اکیلا نہیں بلکہ اس کی پوری پارٹی ہے ﴿مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ﴾ (سورۃ الناس:06) انسانوں میں سے بھی اور جنات میں سے بھی اس کے ایجنٹس ہیں تو اکیلے آدمی کا شیطان کے حملوں کو روکنا اور مزاحمت RESIST کرنا، نفس کی شرارتوں کو RESIST کرنا، بگڑے ہوئے معاشرے کے دباؤ کو RESIST کرنا اس کے مقابلے میں کھڑا رہنا مشکل معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ بھی حکم دے رہا ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ نیک لوگوں کے ساتھ، سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

صادقین کی وضاحت مختلف پیرایوں میں قرآن پاک میں آتی ہے۔سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 177 میں اللہ تعالیٰ نے نیکی کا بڑا جامع تصور بیان فرمایا ہے۔ایمان کا ذکر ہے،انسانی ہمدردی کے جذبے کا ذکر ہے،مخلوق خدا پر راہ خدا میں خرچ کرنے کا ذکر آیا ہے۔نماز اور زکوۃ کا تذکرہ ہے۔ وعدے کو پورا کرنے اور انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے دوران صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 177 میں صادقین کی صفات ہیں۔سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 15 میں پکے سچے ایمان والوں کے بارے میں بتایا گیا" سچے ایمان والے تو بس وہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لائیں اور کسی قسم کے شک میں مبتلا نہ ہوں اور جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں یہی لوگ سچے ہیں"۔تو سچوں کی وضاحتیں تو جابجا[۱] قرآن پاک میں آتی ہیں ان کا بھی مطالعہ ہونا چاہیے۔عموم کے اور اصول کے اعتبار سے صحبتِ صادقین کا مفہوم ہے کہ صالح اجتماعیت اور نیک ماحول سے جُڑنا۔ جب انسان خیر کے ماحول میں جُڑتا ہے تو خیر کے اثرات لیتا ہے۔

انگریزی میں ہم پڑھتے آئے ہیں کہ انسان اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے برف والے کی دکان پر جا کر بیٹھیں گے تو ٹھنڈک تو مفت Free میں مل ہی جائے گی۔ بھٹی والے کی دکان پر لوہار کے پاس جا کر بیٹھیں گے تو چنگاریوں سے کپڑے تو جلیں گے اور کپڑے کالے بھی ہوں گے تو اللہ کے نیک بندوں کے ماحول میں بیٹھیں گے خیر کے ماحول میں بیٹھیں گے تو خیر والے اثرات ہمارے اندر پیدا ہوں گے۔آج میڈیا ئی اور الیکٹرونک آلات ہمارے درمیان اس قدر شامل ہو گئے ہیں کہ یہ صحبت کی تاثیر ہمارے ہاں مفقود[۲] ہوتی چلی جارہی ہے۔ یہ آلات احساسِ مرّوت[۳] کو کچل دیتے ہیں۔ آج یہ آلات کی دنیا ہوگئی ہے، پوری دنیا کے اندر ورچوئل لائف[۴] ہوگئی ہے۔ ایک

(۱) کئی مقامات پر (۲) غائب (۳) انسانیت-اخلاق (۴) Virtual Life

جائز حدتک اس ٹیکنالوجی اوران سہولیات سے فائدہ اٹھا لینے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے مگر انسان کا انسان کے ساتھ جو ذاتی Personal تعلق ہے اور پھر ایک اجتماعیت کے اندر جو آپس میں بھائی چارے کا اور محبت کا تعلق ہے کوئی شے اس کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ کیا خیال ہے؟ ورچوئل یا سمارٹ نماز کی گنجائش دی ہے فقہا نے؟ نہیں دی ہے نا! نماز تو باجماعت ہی ہوگی ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر! کیا خیال ہے یہ بات اسی طرف اشارہ نہیں کر رہی ہے؟

یہ افراد کا اکٹھ [۱] ہے۔ آج اگر بدی مجتمع ہے تو اللہ والوں کو بھی اکیلے نہیں رہنا چاہیے۔ انہیں بھی اجتماعیت کی شکل اختیار کرنی چاہیے تا کہ خیر سیکھ سکیں۔ جب ہم اپنے سے بہتر لوگوں کو دیکھیں گے تو مزید ترغیب وتشویق حاصل ہوگی اور نیکی کا جذبہ ابھرے گا ان شاءاللہ۔ میں اگر کمزور پڑ جاؤں گا تو آپ میرا ہاتھ تھام لیں گے۔ وہ جو قرآن پاک فرماتا ہے کہ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ مل جل کر وہ ایک دوسرے کو حق کی وصیت کریں اور مل جل کر ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کریں۔ تو یہ ہے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 119۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور سچے لوگوں کے ساتھ جُڑ جانے اور ایک اجتماعیت اختیار کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کے، نیکی کے ماحول میں دینی اجتماعیت میں جُڑ کر مجھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ اپنا تقویٰ اختیار کیے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین – یارب العالمین!

---

(۱) اجتماعیت

درس نمبر 25

سورۃ الصّف: آیت نمبر 9

﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ﴾

ترجمہ: "وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو الھدیٰ اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر۔"

آج کی آیتِ کریمہ کے حوالے سے ہم نے قرآن حکیم سے سورۃ الصّف کی آیت نمبر 9 کا انتخاب کیا ہے۔ یہاں اللہ رب العالمین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقصدِ بعثت کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انقلابی مشن کو بیان فرمایا ہے۔ سورۃ الصّف کی آیت نمبر 9 میں ارشاد ہوا! ﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی﴾ وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا الھدیٰ دے کر ﴿وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ﴾ اور دین حق کے ساتھ ﴿لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ﴾ تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دین حق کو کل نظام زندگی پر غالب فرما دیں۔ ﴿وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ﴾ خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار[1] گزرے۔

یہ آیتِ کریمہ ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انقلابی مشن کو بیان کیا گیا اور آپ کے مقصدِ بعثت کا بھی ذکر کر دیا گیا یہ الفاظ سورۃ التوبہ آیت نمبر 33 میں بھی آئے ہیں انہی الفاظ کے ساتھ اور یہی بات سورۃ فتح کی آیت 28 میں بھی بیان ہوئی ہے۔ وہاں آخری الفاظ ہیں! ﴿وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا﴾ اور یہاں ہے ﴿وَ لَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ﴾ گویا تین مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انقلابی مشن کو بیان فرمایا گیا۔ ہدایت کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا جو پہلے نبی بھی ہیں البتہ ہدایت کے عطا کیے جانے کی تکمیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوئی جب آپ کو "اَلۡهُدٰی"

(۱) ناپسند ہونا

یعنی قرآن حکیم عطا فرما دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کا اعلان بھی فرمایا۔ سورۃ المائدہ کے شروع میں ذکر آتا ہے ﴿اَلۡیَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِیۡنَكُمۡ﴾ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرما دیا تو ہدایت کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوا تھا وہ مکمل ہو کر "اَلۡهُدٰی" قرار پایا اور قرآن حکیم کی صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہو گیا۔

سورۃ آلِ عمران کی آیت 19 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے! ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَاللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ﴾ دین تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ تمام انبیاء و رُسل (علیہم السلام)، اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینِ اسلام ہی کی تعلیم دیتے رہے، البتہ اس دین کی تکمیل کا اعلان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا۔ یہ وہ عظیم شانیں ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان ہوئی ہیں۔ قرآنِ حکیم آخری کتاب کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا گیا اور دین کی تکمیل کا اعلان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا۔ البتہ ایک اہم ترین امتیازی شان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس انقلابی مشن کے ساتھ بھیجا گیا کہ کل نظامِ زندگی پر اللہ تعالیٰ کے دین کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غالب فرما دیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف چند عبادات سکھانے کے لیے مبعوث نہیں فرمائے گئے، یا محض اخلاقی ہدایات سکھانے نہیں آئے تھے۔ یہ سب کچھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہمیں عطا فرمایا گیا لیکن دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کامل دین لے کر آئے تھے جس کا تقاضا ہے کہ ہم اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں اور اس پورے کے پورے دین میں داخلے کے لیے یہ دین اپنا نفاذ چاہتا ہے۔

یہی انقلابی مشن نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا جس کے دوران کبھی طائف کی گلیاں ہیں۔ کبھی ہجرت کی راتیں ہیں۔ کبھی بدر کا میدان ہے اور کبھی اُحد کے میدان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک کا شہید ہونا اور آپ کے خونِ اطہر [۱] کا جاری ہونا بھی

---

(۱) نہایت پاک خون

ہمیں دکھائی دیتا ہے۔ کبھی غزوہ احزاب کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہؓ پیٹ پر پتھر باندھے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ یہ 23 برس کی مشقتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جھیلیں اور اپنے 259 صحابہ کی جانوں کے نذرانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کیے جب قرآن کریم فرماتا ہے کہ! ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:81) حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل ہے ہی مٹنے کے لیے۔ اور سورۃ النصر کی آیت 2 میں فرمایا! ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیکھیں گے کہ لوگ جوق درجوق [1] اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو جائیں گے۔

سرزمینِ عرب پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے اللہ کا دین غالب ہوا اور پھر غزوۂ تبوک جو سلطنتِ روما کے خلاف تھا، اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ دین فقط عرب کے لیے نہیں آیا بلکہ پوری دنیا کے لیے آیا ہے۔ آج یہ ذمہ داری ہم مسلمانوں کے کاندھوں پر ہے جیسا کہ بقول اقبال:

وقتِ فُرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

اب نبوت کا سلسلہ تو مکمل ہو چکا، لیکن کارِ رسالت جاری ہے۔ دین کے پیغام کو پہنچانے والا معاملہ اور دین کے نظام کو قائم کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنا، یہ ذمہ داری آج ہمارے کاندھوں پر ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں پانچ جلیل القدر رسولوں نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر فرمانے کے بعد ہم مسلمانوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (سورۃ الشوریٰ:13) کہ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا اور اس بارے میں کسی تفرقہ میں مبتلا نہ ہو جانا۔ ختم نبوت کے بعد اب اُمتِ مسلمہ کے کاندھوں پر ذمہ داری ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

---

(۱) گروہ کے گروہ

کے لائے ہوئے دین کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر قائم اور نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔

آگے ارشاد ہوا ﴿ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴾ چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ ایک وہ مشرک تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تھے جن کے سردار اپنی بات منوانا چاہتے تھے۔ گویا اپنے بنائے ہوئے قانون کو چلانا چاہتے تھے۔ آج بھی دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو وحی کا انکار کرتے ہیں اور وحی کے مقابلے میں اپنے قانون کی بات کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تین مرتبہ قرآن مجید میں فرماتا ہے! ﴿ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ﴾ قرآن حکیم میں سورۃ یوسف کی آیت نمبر 40 میں بھی ارشادِ ربّانی ہے! ﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ حکم کا اختیار فقط اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے قانون کے مقابلے میں کسی اور کا قانون چلے، اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں کسی اور کی اطاعت چلے، اللہ کے نظام کے مقابلے میں کسی اور کا نظام چلے تو یہ بھی شرکیہ طرزِ عمل ہے اس کے خاتمے کے لیے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے دین کے غلبے کی جدوجہد کے لیے محنت کرنا اب ہم مسلمانوں کے کاندھوں پر ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انقلابی مشن ہے۔ ﴿ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی﴾ وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا الھدیٰ دے کر ﴿وَدِیۡنِ الۡحَقِّ﴾ اور دین حق کے ساتھ ﴿لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ﴾ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دین حق کو کل نظامِ زندگی پر غالب فرما دیں ﴿وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ﴾ خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی جان، مال، وقت، صلاحیت، اوقات اور اولاد کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دین کی سربلندی کی جدوجہد کے لیے لگائیں۔

آمین – یارب العالمین!

درس نمبر 26

سورۃ الحج: آیت نمبر 41

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝٤١﴾

ترجمہ: "وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکن عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، اور زکوٰۃ ادا کریں گے، اور وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے، اور تمام امور کا انجام تو اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔"

آج کی آیت کے حوالے سے ہم نے سورۃ الحج کی آیت نمبر 41 کا انتخاب کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے ان لوگوں کی ذمہ داریوں اور فرائض کی وضاحت کی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں تمکّن اور اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے۔ سورۃ الحج آیت 41 میں ربِّ کائنات کی طرف سے ارشاد ہوا! ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ﴾ "وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں دسترس[1] عطا کریں" اختیار عطا کریں ﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ "وہ نماز قائم کریں گے" ﴿وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ "وہ زکوٰۃ ادا کریں گے" ﴿وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ﴾ "وہ معروف کا اور بھلائی کا حکم دیں گے" ﴿وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ "وہ مُنکر اور بدی سے روکیں گے" ﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ "اور تمام کاموں کا انجام تو بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔"

سفرِ ہجرت کے دوران یہ آیات نازل ہوئیں۔ کہ عنقریب یثرب، مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنے گا۔ وہاں مسلمانوں کو تمکّن و اختیار حاصل ہوگا اس موقع پر مسلمانوں کی

---

(۱) قدرت۔ اختیار

کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے عموم کے اعتبار سے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ زمین پر اختیار عطا فرما دے اقتدار عطا فرما دے اور فیصلے کی قوت جن کے پاس ہو، ان کے کرنے کے کام کیا ہیں۔

ایک انداز سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک اسلامی ریاست کا منشور، اس کا Manifesto بیان ہورہا ہے؟ اس کے چار بڑے بڑے ستون (Pillars) اس مقام پر اللہ رب العالمین بیان فرما رہا ہے کہ جنہیں زمین میں اختیار عطا ہوگا وہ نماز قائم کریں گے لیکن نماز قائم کرنا تو ایک عام مسلمان کے لیے ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا تو نماز ادا کرو۔ لیکن جب یہ بات اہلِ اِقتدار کے لیے بیان ہو تو اس کا مطلب ہے کہ نماز کا پورا اِنتظام، مساجد کا موجود ہونا، مساجد کے انتظام کو چلانا، وہاں کے ائمہ ومؤذنین و معلمین، ان کے جو بھی وظائف ہیں ان کا اہتمام کرنا، مساجد کے انتظامی امور کو دیکھنا، نمازِ باجماعت کا اہتمام، دینی تعلیمات کے مطابق جمعہ کا اہتمام، عیدین کا اہتمام اور وقت کے حکمران کا امامت کرانا وغیرہ۔ مذکورہ بالا تمام ذمہ داریاں اہلِ اِقتدار کی ہیں۔ وہ دین کا نمائندہ ہے۔ چونکہ مسلمانوں پر اس کو حکمرانی کا اختیار مل گیا ہے۔ سبحان اللہ! تو نماز کا پورا نظام موجود ہونا، اور جمعہ اور عیدین کی امامت کرنا مسلمان حکمران کی ذمہ داری ہے۔ اگر آج یہ مسلمان حکمران اس قابل نہیں ہیں تو انہیں اس قابل بننا چاہیے اور اس قابل نہیں ہیں تو بہت بڑا سوالیہ نشان ہمارے سامنے آنا چاہیے کہ کیا وہ مسلمانوں کے حکمران بھی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو یہ نماز کا پورا نظام ذہن میں رہے۔ اولین ذکر نماز کا ہے اور ایک منشور Menifesto کے طور پر نماز کا بیان سامنے آرہا ہے۔ بندہ مؤمن کی پوری زندگی نماز سے جڑی ہوئی ہے اور ایک اسلامی ریاست کے معاملات بھی نماز سے جڑے ہوئے ہونے چاہئیں۔

دوسرا تقاضا ﴿وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ ”اور وہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔“ ایک عام مسلمان اگر وہ صاحب نصاب ہو تو وہ زکوٰۃ ادا کرے گا۔ لیکن جن کے پاس اقتدار ہوگا، اختیار

ہو گا وہ زکوٰۃ کی وصولی کا پورا نظام بنا کر نافذ کریں گے۔ اور صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑا گوشہ "عُشر" کا بھی ہے پاکستان ایک زرعی ملک ہے، لہٰذا عُشر کے حوالے سے ہماری بہت بڑی کوتاہی ہے۔ زکوٰۃ سالانہ بنیادوں پر ہے جبکہ عُشر ہر ہر فصل پر ادا ہوتا ہے۔ اس کی مزید تفصیلات ہیں جو ہمیں معلوم ہونی چاہئیں۔ جن کے پاس اختیار ہو گا وہ زکوٰۃ اور عُشر کی وصولی کا ایک پورا نظام بنا کر نافذ کریں گے۔ اور جو مستحقین ہوں گے، زکوٰۃ وعشر کے لینے والے ہوں گے، حاجت مند ہوں گے، ان تک پہنچائیں گے گویا اس میں ایک کفالت کا تصور، ایک فلاحی ریاست کے تصور کی طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے۔

تیسری بات ہے ﴿وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ﴾ اور چوتھی بات ﴿وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ "اور وہ بھلائی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔" یہ تو اُمت والا کام ہے۔ اُمت کو کس مقصد کے لیے کھڑا کیا گیا۔ "نیکی کا حکم دینے کے لئے اور بدی سے روکنے کے لئے" (سورۃ آلِ عمران آیت نمبر 110)۔ لیکن میں تو اپنی اولاد کو شاید کسی درجے میں حکم دے سکوں۔ محلے والوں کو یا ان کے بچوں کو حکم نہیں دے سکتا۔ حکم دینے کے لیے طاقت اور قوت کا ہونا ضروری ہے۔ تو جن کے پاس اختیار ہے، اقتدار ہے، قوتِ نافذہ ہے، وہ تو حکماً فرائض وواجبات کی پابندی کرائیں گے اور حرام اور منکرات کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ ہم جیسے لوگ تو منت سماجت کریں گے کہ بھائی سود کو چھوڑ دو، بھائی بے حیائی کو چھوڑ دو لیکن جن کے پاس اختیار ہو گا انہیں چاہیے کہ وہ اپنے اختیار کو بدی کے خاتمے کے لیے، سود کے خاتمے کے لیے، جوئے کے خاتمے کے لیے، شراب کے خاتمے کے لیے اور بے حیائی کے کاموں کے خاتمے کے لیے استعمال کریں۔ جن کے پاس اقتدار ہوتا ہے وہ زیادہ ذمہ دار بھی ہوتے ہیں اور ان پر امت والی امانت کا بھاری بوجھ ہے۔ کہ امت اسی مقصد کے لیے کھڑی کی گئی ہے۔ لہذا وہ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

یہ چار بڑے بڑے فرائض و ذمہ داریاں اہل اقتدار کی ہیں ماضی کے حکمران ہوں یا آج کے حکمران، کسے باشد[1]، کوئی بھی ہو! سب کے سب ذمہ دار ہیں کہ تمہیں اختیار ملا ہے۔ بڑا شوق ہے تمہیں اقتدار کا! بڑے شوق سے تم آئے ہو! یہ شوق کا معاملہ نہیں ہے یہ دل لگی اور کھیل تماشے Entertainment کا معاملہ نہیں ہے اللہ اکبر! یہ تو بڑی بھاری ذمہ داری کا معاملہ ہے۔ اِن کروڑوں کے مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہوگا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے ہر ایک راعی[2] ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا" باپ ہے تو اولاد کے بارے میں، شوہر ہے تو بیوی کے بارے میں، اور آقا ہے تو غلام کے بارے میں، اور حکمراں ہے تو رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا تمہیں اقتدار ملا تھا کیا کِیا اس کے ساتھ؟ نماز کا نظام قائم کر کے ان کو اللہ سے جوڑنے کی کوشش کی کہ نہیں! زکوۃ کا انتظام کر کے ان کی کفالت کا انتظام کیا کہ نہیں! نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا یہ فریضہ انجام دے کر ان کی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کی ہے کہ نہیں کی! اب اگر آپ کے چند بچے ہوں اور وہ بچے ہوں بھی نیک تو وہ بچے آپ کے لیے کتنا بڑا صدقہ جاریہ ہونگے؟ ایک ریاست کو چلانے والے حکمران ہوں اور وہ کروڑوں انسانوں کے لیے دین پر عمل کرنے کے مواقع فراہم کریں تو کتنے کروڑوں انسان ان کے لیے صدقہ جاریہ بنیں گے اور دعائیں کریں گے۔ اللہ اکبر!

آخری بات ﴿وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾ "اور تمام معاملات کو لوٹنا تو بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔" انجام تو بالآخر اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ جس جس کو اقتدار ملا ہے جس جس کو اختیار ملا ہے، یاد رکھے کہ یہ دنیا عارضی ہے، مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔ تمہیں کیا اختیار ملا؟ تمہیں معلوم ہے۔ کل اللہ تعالیٰ پوچھے گا اس اختیار کو تم نے کہاں استعمال کیا؟ صحیح استعمال کیا یا غلط! اگر صحیح استعمال کیا تو اللہ کے سائے میں،

---

(۱) کوئی ہو (۲) نگران

مراد عرش کے سائے میں جو سات قسم کے افراد ہوں گے بخاری شریف کی روایت کے مطابق ان میں سے ایک "امام عادل" عدل کرنے والے حکمران ہوں گے۔ان کے لیے وہاں نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی۔اور اگر ظلم کیا اور اقتدار و اختیار کا غلط استعمال کیا اور ان فرائض کو انجام نہ دیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی بھی کرنی ہوگی اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو خیر کی توفیق دے، ہدایت عطا فرمائے، صحیح فیصلوں کی توفیق دے اور یہ جو فرائض کتاب اللہ میں بیان کیے گئے ہیں انہیں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین – یارب العالمین!

درس نمبر 27

سورۃ محمد ﷺ : آیت نمبر 7

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

ترجمہ: ”اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو جما دے گا“۔

آج کے درس کے حوالے سے سورۃ محمد ﷺ کی آیت نمبر 7 کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد ﷺ کی آیت نمبر 7 میں ارشاد فرمایا! ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ﴾ ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو!“ ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ ”اگر تم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نصرت [۱] کرو گے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمہاری نصرت فرمائے گا“ ﴿وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ ”اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمہارے قدموں کو مضبوطی عطا فرما دے گا“۔

یہ ترغیب وتشویق کا بہت عمدہ انداز ہے جو ربِّ کائنات نے اس مقام پر اختیار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت؟ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی کسی نصرت کی ضرورت ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو کسی مدد کی ضرورت ہے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ تو الصمد ہے، بے نیاز ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انداز ہماری ترغیب [۲] کے لیے، تشویق کے لیے (Motivation) کے لیے، تحریک کے لیے اختیار فرمایا۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نصرت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری نصرت فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت سے کیا مراد ہے؟ قرآن حکیم میں سورۃ الصّف کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ذکر آتا ہے۔ انہوں نے اپنے حواریوں یعنی

---

(۱) مدد (۲) شوق دلانا

ساتھیوں سے کہا تھا ﴿مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ﴾ "کون ہے میرا مددگار اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف" ﴿قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ﴾ یہ ان کے حواریوں یعنی ساتھیوں نے کہا کہ "بے شک ہم اللہ کے مددگار ہیں"۔ حضرت عیسیٰؑ یہ فرمارہے ہیں کہ میرا مددگار کون ہے اللہ کی جانب یعنی دین کی خاطر، اور ساتھی کہہ رہے ہیں کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ تو سورۃ الصّف آیت نمبر 14 سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پیغمبر کا ساتھ دینا، پیغمبر کے کام میں شریک ہونا، پیغمبر کے مشن میں شریک ہونا، یہی اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بڑے ترغیب وتشویق کے انداز میں ہماری دلجوئی (۱) فرمارہا ہے، ہمیں تحریک دے رہا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی یعنی اس کے دین کی نصرت کروگے، اس کے دین کی مدد کروگے، اس کے دین کے لیے جدوجہد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔

دین کی نصرت کیا ہے؟ اللہ کے دین کو سیکھنا بھی، اللہ کے دین پر عمل کرنا بھی، مگر یہ کافی نہیں ہے۔ اللہ کے اس دین کی دعوت دوسروں کو دینا اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا جو ختم نبوت کے بعد ہم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ ہے نصرتِ دین کا معاملہ۔ دین پر عمل اور دین کی دعوت دوسروں کو دینا اور دین کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا۔

مملکت خداداد پاکستان اسی مقصد کے لیے ہم نے حاصل کی تھی کہ یہاں اللہ کے دین کو قائم کرکے دنیا کے سامنے ایک رول ماڈل (۲) پیش Present کریں گے کہ آؤ اپنی آنکھوں سے دیکھو، یہ اسلام کی برکتیں ہیں، یہ قرض بہرحال ہمارے ذمہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مراد اس کے دین کی دعوت اور اس کے نفاذ کے حوالے سے جدوجہد کرنا، اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم دین کو مضبوطی سے تھامو، تم دین کے ساتھ مخلص ہوجاؤ، تم دین کی دعوت کا کام کرو، دین کے نفاذ کی جدوجہد کرو تو اس کا مطلب ہے کہ تم اللہ کی نصرت کررہے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ بھی تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور

---

(۱) تسلی۔تسکین (۲) قابل تقلید نمونہ (Role Model)

آپ سوچیے کہ ہمیں کس قدر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے۔ ہم تو ہیں ہی اس کے محتاج، ہم تو ہیں ہی اس کے بھکاری، ہم کچھ نہیں اس کے اِذن کے بغیر، اور آج جن حالات سے امتِ مسلمہ گزر رہی ہے، چاہے پاکستان کے معاملات ہوں یا دیگر مسلم ممالک یا غیر مسلم علاقوں میں مسلمانوں پر جو ظلم وستم کیا جارہا ہے۔ اس سارے تناظر میں آج ہم اللہ رب العالمین کی مدد کے بہت محتاج ہیں۔ ہم اپنے معاملات کو سلجھانے کے لیے اسباب کی طرف تو توجہ بہت کرتے ہیں، بحث بھی ہوتی ہے، ٹاک شوز بھی ہوتے ہیں، کانفرنسز بھی ہوتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن وہ مسبب الاسباب جو ﴿عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر﴾ ہے جو کل نفع ونقصان کا مالک ہے اس کی طرف ہم متوجہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے! ﴿اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ (سورۃ ال عمران:160) اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی مدد کا ہاتھ تمہارے اوپر سے ہٹالے تو بتاؤ اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا؟ آج ہمارا حال یہی ہے کہ ہم مغلوبیت کا شکار ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے شاملِ حال نہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ کیا ہے کہ ہماری اکثریت آج دین کے ساتھ مخلص نہیں، آج اللہ کا دین ہماری اولین ترجیح نہیں رہا۔ گلاس ٹوٹنے پہ ہمیں غصہ آجاتا ہے، اسمارٹ فون کی سکرین ٹوٹتی ہے ہمیں زیادہ غصہ آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے کتنے احکامات توڑے جارہے ہیں لیکن ہمیں کوئی فکر لاحق نہیں ہوتی۔

وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء[(۱)] ہے

تو آج اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے حالات سنور جائیں۔ ہم مغلوبیت اور ذلت کی زندگی نہ گزاریں اور دنیا میں عروج پائیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم میرے دین کی نصرت میں لگ جاؤ، میں تمہاری نصرت کروں گا اور جس کی نصرت اللہ تعالیٰ فرمائے وہ

---

(۱) نہایت اجنبی

مغلوب نہیں ہوگا وہ غالب رہے گا اس آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا! ﴿وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ تمہارے قدموں کو مضبوطی عطا فرمادے گا۔“ آج ہم پاکستان کی بات کریں، اُمتِ مسلمہ کی بات کریں ہم سب ظلم وستم کا شکار ہیں۔ سب سے ارزاں وستا خون ہمارا ہے جو دنیا میں بہتا ہے۔ افغانستان، شام، عراق، کشمیر، فلسطین، برما اور کبھی ماضی میں بوسنیا اور نہ جانے کہاں کہاں یہ سلسلہ جاری ہے۔ سب سے ستا خون مسلمان کا ہے جو بہے جا رہا ہے۔ اور مملکتِ خداداد پاکستان میں کیسے کیسے حالات سے ہمیں گزرنا پڑ رہا ہے؟ اس سارے تناظر میں معیشت کا بھٹہ بیٹھا ہوا ہے، اخلاقیات کا جنازہ نکلا ہوا ہے، استحکام دکھائی نہیں دیتا، ہماری جو بھی اس وقت سیاسی صورتحال ہے اس پر کیا تبصرہ کیا جائے۔ اللہ فرماتا ہے تم دین کے ساتھ مخلص ہو جاؤ اس کے دین کی نصرت میں لگ جاؤ، وہ تمہاری نصرت فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوطی عطا فرمائے گا۔

نہ کہیں جہاں میں اَماں ملی، جو اَماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرمِ خانہ خراب (۱) کو ترے عفوِ بندہ نواز (۲) میں

اور وہ جو کہا

کہ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں (۳) سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ہمیں بالآخر لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہوگا اور اس کے دین کے ساتھ مخلص ہونا ہوگا۔ تبھی اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شاملِ حال ہوگی اور ان شاء اللہ ہمارے حالات اس دنیا میں بھی سدھریں گے اور سب سے بڑھ کر آخرت میں بھی ہماری کامیابی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین پر عمل کرنے کی اور دین کی دعوت کو عام کرنے اور مل جل کر دین کے غلبے کی جدوجہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین - یارب العالمین!

---

(۱) تباہ کردینے والا گناہ (۲) عزت دینے والے کی معافی (۳) دشوار

درس نمبر 28

سورۃ طٰهٰ: آیت نمبر 82

﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾﴾

ترجمہ: "اور میں تو یقیناً بہت ہی معاف فرمانے والا ہوں ہر اُس شخص کے لیے جس نے توبہ کی، ایمان لایا، نیک اعمال کیے، اور پھر سیدھی راہ پر چلتا رہا"۔

آج کی آیت کے حوالے سے سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر 82 کا انتخاب کیا ہے۔ اس مقام پر اللہ رب العالمین نے یہ مبارکباد ہمیں دی ہے، بشارت دی ہے، بہترین خبر اللہ کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا ہے مگر کن کو بخشنے والا ہے؟ وہ جو واقعتاً سچی توبہ کرلیں اور اپنے معاملے کو درست کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں۔ اور صحیح راہ پر گامزن [(۱)] ہو جائیں، سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر 82 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! "بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اس کو جس نے توبہ کی، اور وہ ایمان لایا، اور اس نے عمل کیا نیک، پھر وہ ہدایت پر گامزن رہا"۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بہت بخشنے والا ہے۔ اللہ کی شانِ غفّاری، اللہ کی شانِ کریمی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا الرّحمٰن اور الرّحیم ہونا جابجا قرآن پاک اس کا ذِکر فرماتا ہے۔

حدیث مبارک میں بھی ذکر آتا ہے کہ اللہ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا! "اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے فرمائے ہیں۔ ایک حصہ مخلوق کو دیا ہے اور ننانوے حصے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھے ہیں" یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ مخلوق میں انسان بھی ہیں۔ جانور بھی ہیں، چرند بھی ہیں اور پرند بھی، جتنا بھی محبت وشفقت کا اظہار ہوتا دکھائی دے رہا ہے یہ سب اللہ کی رحمت کے سو میں سے صرف ایک حصے کا ظہور ہے تو جس رب کے پاس رحمت کے ننانوے حصے ہوں گے، اس کی رحمتوں کا عالم کیا ہوگا؟

(۱) چلنا

البتہ اس کی رحمت اور اس کی مغفرت جو کہ بہت وسیع ہے اس کا مستحق بننے کے لیے محنت درکار ہے، وہ محنت کیا ہے؟ فرمایا! ”بے شک میں یقیناً بہت ہی زیادہ بخشنے والا ہوں، اسے جس نے توبہ کی“۔

توبہ کا لُغوی مفہوم تو ہے پلٹ آنا۔ بندے کا پلٹنا کیا ہے؟ بندہ معصیت کو، گناہ کو، نافرمانی کے کام کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی روِش [(۱)] کی طرف پلٹ آئے۔ یہ ہے توبہ کا مفہوم جس کو قرآن حکیم سورۃُ التحریم کی آیت 8 میں یوں بیان فرماتا ہے! ”اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی اور پکی توبہ کرو، خالص توبہ“۔ اللہ تعالیٰ کس کو بخشنے والا ہے؟ جو ایمان لے آئے۔ ایک شخص کفر پر ہے وہ اسلام کی طرف آئے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہوگا اور حدیث مبارک میں آیا ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے جو کفر سے اسلام کی طرف آئے تو اس کا یہ اسلام قبول کرنا اس کے پچھلے سارے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ سبحان اللہ! سب معاف ہوجائے گا یہ تو وہ ایمان ہے کہ جو کفر سے اسلام کی طرف آ جائے اور ایک وہ بندہ مؤمن ہے جو پہلے ہی مسلمان ہے لیکن گُناہوں کی نحوست [(۲)] کی وجہ سے اس کی رُوح آلودہ ہوجاتی ہے۔ گُناہوں کی نحوست کی وجہ سے دل میں سے ایمان نکل جاتا ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں آتا ہے کہ ایمان دل سے نکل کر پرندے کی طرح سر پر منڈلاتا رہتا ہے۔ بندہ پلٹ آئے، توبہ کرلے تو ایمان واپس آجاتا ہے اسی لیے توبہ کے بارے میں بڑا خوبصورت جملہ کہا گیا کہ توبہ روح کا غسل ہے اللہ اکبر! توبہ روح کا غسل ہے کہ بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کی نحوست کی وجہ سے روح آلودہ ہوجاتی ہے۔ باطن ناپاک ہوجاتا ہے اندر سے ایمان نکل جاتا ہے، حقیقی ایمان کی بات ہو رہی ہے۔ مسلمان تو رہتا ہے، کلمہ گو ہے، لیکن اندر سے ایمان نکل جاتا ہے تو اللہ کس کو بہت بخشنے والا ہے جو توبہ کرے اور ایمان لائے۔ اچھا ایمان اِدھر (دل میں) ہوگا تو عمل ثبوت پیش کرے گا۔ توبہ! توبہ! توبہ! صرف زبان سے کہنا کافی نہیں ہے

(۱) طور طریقہ (۲) منحوس ہونا

بلکہ اس کے ساتھ توبہ کرنی بھی ہے۔ مراد ہے کہ توبہ کے استغفار کے وہ کلمات زبان سے بھی ادا کیے جائیں جو قرآن پاک میں اور، احادیث مبارکہ میں بھی آئے ہیں مگر صرف توبہ کہنے سے توبہ نہیں ہوتی بلکہ توبہ کرنے سے توبہ ہوتی ہے۔

آگے فرمایا کہ "اور اس نے عمل کیا نیک" اب تک معصیت[1] میں مبتلا تھا، گناہ کر رہا تھا، نافرمانی کر رہا تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کو پامال کر رہا تھا اب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کی طرف آ جائے۔ یہ فرمانبرداری دو اعتبارات سے ہے۔ ایک ہماری وہ دینی ذمہ داریاں ہیں جو ہماری انفرادی زندگی سے متعلق ہیں اور جہاں عمل کرنا فوراً ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز ادا کرو۔ اگر کوئی ادا نہیں کرتا تو گناہ گار ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو۔ ہر ہر صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، ادا نہیں کرتا تو گناہ گار ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ سود کے معاملے کو چھوڑ دو تو انفرادی سطح پر تو سود کو چھوڑ نا ممکن ہے! اللہ تعالیٰ جھوٹ سے منع فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی سے منع فرماتا ہے یہ وہ احکام ہیں جہاں فوراً عمل درآمد ہو سکتا ہے لہذا فوراً عمل کرنا چاہیے۔

اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے دین کے وہ تقاضے ہیں جو اجتماعی سطح سے متعلق ہیں۔ سود کا نظام ختم ہونا چاہیے۔ بے حیائی، فحاشی و عریانی کا طوفان ختم ہونا چاہیے۔ جوئے اور سٹے کا نظام ختم ہونا چاہیے۔ اللہ کی شریعت میں سزاؤں کے نفاذ کا تقاضا ہے کہ اگر وہ نافذ نہیں ہیں تو ان کا نفاذ ہونا چاہیے۔ یہ اجتماعی معاملاتِ زندگی وہ ہیں جہاں میرا اور آپ کا اکیلے اکیلے کا اختیار نہیں ہے چنانچہ وہاں ہمیں کوشش Struggle کرنی ہے، وہاں ہمیں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جدوجہد کرنی ہے یعنی انفرادی سطح پر توبہ کا مطلب ہے فوراً گناہوں کو چھوڑ کر فرائض و واجبات کی ادائیگی پر آ جاؤ۔

سچی، پکی اور خالص توبہ اجتماعی سطح پر بھی مطلوب ہے۔ یہ اُمت آج اپنے فریضہ

---

(۱) نافرمانی

سے غافل ہے۔ دعوتِ دین کا کام، نفاذِ دین کی جدوجہد کا معاملہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا معاملہ، اقامتِ دین، اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کا معاملہ، اگر امت یہ فرائض انجام نہیں دے رہی تو گناہ گار ہو رہی ہے! اس سطح پر توبہ کیا ہے؟ اجتماعی سطح پر توبہ یہ ہے کہ دعوتِ دین، نفاذِ دین کی جدوجہد کا کام کیا جائے اور یہ اکیلے اکیلے نہیں ہو سکتا اس کے لیے دینی اجتماعیت میں شامل ہو کر ہی ہم اس فریضہ کو سرانجام دے کر اجتماعی سطح پر توبہ کر سکتے ہیں۔

آگے فرمایا! "پھر وہ ہدایت پر گامزن بھی رہا" مُراد ہے کہ زندگی کا رخ سیدھا ہو جائے۔ ہیں تو بندے خطا کار، زندگی کا رخ سیدھا ہو جائے، محسوس ہو کہ اس کی توبہ قبول ہوگئی، پتہ چلے کہ اب یہ اللہ کی فرماں برداری کی طرف آ گیا ہے، پتہ چلے کہ یہ اللہ کی بندی اللہ کی فرماں برداری کی طرف آ گئی ہے۔ اب اس کا ماضی جو داغدار تھا اب داغدار نہیں رہا بلکہ اس کی زندگی میں عفت و پاکیزگی آ گئی ہے، تقویٰ اور خیر آ گیا ہے۔ وہ اب گناہوں سے بچنے والا بن گیا ہے، یہ ہے "ثُمَّ اهْتَدٰی" تو اللہ فرماتا ہے! بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اس کو (لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی) جس نے توبہ کی، اور وہ ایمان لایا، اور اس نے عمل کیا نیک، پھر وہ ہدایت پر گامزن رہا۔

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے بشارت عطا فرمائی کہ سارے کے سارے بنی آدم خطا کار ہیں، ان میں سے بہترین خطا کار کون ہیں؟ جو توبہ کرنے والے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ (اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ) (ابن ماجہ) "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو"۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اور ہم سب کو سچی اور پکی توبہ کرنے کی توفیق دے۔ انفرادی طور پر فرائض وواجبات پر عمل کرنے اور حرام اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور اجتماعی سطح پر دعوتِ دین اور نفاذِ دین کی جدوجہد کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

آمین- یارب العالمین!

درس نمبر 29

سورۃ البقرۃ: آیت نمبر 286

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ؕ لَہَا مَا کَسَبَتۡ وَ عَلَیۡہَا مَا اکۡتَسَبَتۡ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَہٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ ۚ وَ اعۡفُ عَنَّا ٝ وَ اغۡفِرۡ لَنَا ٝ وَ ارۡحَمۡنَا ٝ اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۸۶﴾﴾

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا کسی جان کو مگر اس کی وسعت کے مطابق، اسی جان کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور اسی کے اوپر وبال[1] بنے گا جو اُس نے بُرائی کمائی۔ اے ہمارے ربّ! ہم سے مؤاخذہ نہ فرمانا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے۔ اور اے ربّ ہمارے! ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے۔ اور اے ربّ ہمارے! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالنا جس کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اور ہم سے درگزر فرماتا رہ! اور ہمیں بخشتا رہ! اور ہم پر رحم فرما، تو ہمارا مولا ہے، پس ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلے میں“۔

آج کی آیت کے حوالے سے سورۃ البقرہ کی آخری آیت مبارکہ، آیت نمبر 286 کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بہت ہی جامع دعائیں ہمیں تلقین فرمائی ہیں اور ایک بشارت جو احادیث مبارکہ میں آتی ہے کہ ان دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول بھی فرماتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آخری آیت نمبر 286 میں ارشاد ہو رہا ہے! ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا﴾ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھہراتا، یہ عموم کے اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اتنی ہی ذمہ داریاں اس

(۱) عذاب

پر ڈالی ہیں جتنی کہ اس کے اندر استطاعت اور استعداد (capacity) ہے۔ باقی تفصیل ہے ہر شخص کو جو کچھ بھی اللہ نے عطا فرمایا اس کے مطابق وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہے۔ کیسے حالات اس کو میسر آئے، ہر فرد کو حالات کتنے موافق Favourable یا ناموافق Unfavourable ملے تھے۔ یہ بحث اپنی جگہ پر ہے۔ اسی طرح ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے مواقع عطا کیے، کیا اس نے اپنی استعداد Capacity کو بڑھانے کی کوشش کی؟ بعض اوقات انسان دس سال ایک پیشہ میں لگاتا ہے وہ بہت آگے نکل جاتا ہے تو ایک بندہ خیر کے اور نیکی کے کاموں میں محنت کرے گا تو اس کی وسعت اور استعداد Capacity مزید بڑھتی چلی جائے گی، لہٰذا ارشاد ہوا! ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا﴾ ”اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ دار نہیں ٹھہراتا“۔

﴿لَہَا مَا کَسَبَتۡ وَ عَلَیۡہَا مَا اکۡتَسَبَتۡ﴾ انسان کے لئے اس عمل کا اجر ہے جو اس نے نیکی کمائی اور انسان پر اس عمل کا وبال ہوگا جو اس نے بدی کمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اختیار بندے کو دیا تو چاہے وہ نیک بنے اور چاہے تو وہ بدی کا معاملہ کرے۔ جو خیر کمائے گا اپنے بھلے کے لیے اور اگر وبال پائے گا تو اپنی ہی برائی کا وبال پائے گا۔ یہ بھی اصولی بات ہے۔ ہر ایک انفرادی سطح پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا۔ ﴿وَ کُلُّہُمۡ اٰتِیۡہِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَرۡدًا﴾ (سورۃ مریم:95) ہر ایک اکیلا اکیلے اپنا جواب دے گا تو جو نیکی کر رہا ہے اس کا اجر اسی کے لیے، اور جو بدی کمائے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔

اس کے بعد بہت جامع دعائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا﴾ ”اے ہمارے رب! ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے“ حدیث مبارک میں بھی آتا ہے کہ اللہ کے نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! میرے رب نے میری امت

سے نسیان اور خطاء کو معاف فرما دیا۔ نسیان کا مطلب ہے بھولے سے کسی کام کا ہو جانا، بعض مواقع پر کوئی قتلِ خطا کا معاملہ ہو جاتا ہے جیسے خطا کا لفظ بھی آگے آرہا ہے تو اس کی دیّت یا کفّارہ مقرر کیا گیا مگر عموم کے اعتبار سے نسیان ہے، بھولے سے کوئی کام ہو جائے جیسے روزے کی حالت میں بھولے سے کوئی شخص کھا پی لے جیسے ہی یاد آئے تو اسے چھوڑ دینا چاہیے اور روزہ جاری رکھنا چاہیے۔ اور خطا کیا ہے کہ چُوک ہو جانا کچھ کرنے چلے تھے کچھ اور ہو گیا مثلاً ایک جانور کا شکار کرنے چلے تھے مگر گولی کسی انسان کو لگ گئی۔ اس پر قتلِ خطا کے احکامات تو لاگو ہوں گے لیکن نسیان اور خطا اس امت پر اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

﴿رَبَّنَا وَ لَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَآ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا﴾

اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسے کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ "اِصۡرٌ" کہتے ہیں ایسا بوجھ جس کو اٹھانا ممکن نہ ہو، پچھلی اُمتوں پر مشقتوں اور سختیوں کا معاملہ زیادہ رہا۔ مثلاً مالِ غنیمت ان کے لیے حلال نہیں تھا۔ قُربانی پیش کرتے تو آسمان سے آگ آکر اس کو کھا جاتی، وہ قُربانی کا گوشت بھی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ مخصوص عبادت گاہ میں نماز ادا کرنا ان کے لیے ضروری تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اُمت پر بہت بڑا فضل فرمایا اور بہت سی آسانیاں عطا فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے مشکل کی بجائے آسانی چاہتا ہے۔ اسی لیے ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی ﴿رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ "اے ہمارے رب! ہم سے ایسا بوجھ نہ اٹھوا جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔" وہی بات کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا﴾ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا۔ اب اللہ تعالیٰ دُعا بھی اسی انداز سے ہمیں سکھا رہا ہے کہ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال یعنی ایسے تقاضے نہ آئیں، ایسی ذمہ داریوں کا معاملہ نہ آئے، ایسے مطالبات تیری طرف سے نہ آئیں کہ اے اللہ جن کو ادا کرنا، جن ذمہ داریوں کو پورا کرنا

ہمارے لیے ممکن نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے آسانی کا سوال کیسے کیا جائے خود اللہ تعالیٰ نے سکھا دیا۔ اب ایک بڑی پیاری بشارت ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی ذکر آتا ہے بندہ جب یہ دعائیں کرتا اور مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر ہر دُعا کا جواب دیتا ہے جیسے مسلم شریف کی روایت ہے کہ سورۃ فاتحہ کی ایک ایک آیت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آرہا ہوتا ہے اسی طرح بخاری شریف کی روایت میں اور دیگر احادیثِ مبارکہ میں ذکر آتا ہے کہ جب بندہ یہ دعائیں مانگتا ہے اللہ فرماتا ہے، بلیٰ، ہاں! ہاں! اللہ فرماتا ہے! (قَدْ فَعَلْتُ) کہ میں کر چکا، کتنا پیارا ہے ہمارا رب۔ دعا بھی سکھاتا ہے اور قبولیت کی بشارت بھی دیتا ہے، دعا اللہ نے سکھائی اور بشارت صاحبِ قرآن حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عطا فرما دی۔

(وَ اعْفُ عَنَّا) اور ہمیں معاف فرما دے۔ معافی کا مطلب کیا ہے؟ درگزر کا معاملہ کرنا، اے اللہ ہم سے مؤاخذہ نہ کر! اے اللہ جانے دے، ایک اور دعا جو حدیث مبارک میں آتی ہے کہ (اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا) اے اللہ میرے حساب کو آسان فرما دے۔ تو اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوال پر آسان حساب کی وضاحت فرما دی۔ اللہ نہ تو پوچھے اور نہ ہی حساب کھولے، جس کا حساب کھلا اور اللہ نے پوچھا وہ تو مارا گیا، تو بس اے اللہ جانے دے۔ (وَ اعْفُ عَنَّا) اے اللہ معاف فرما دے، اے اللہ درگزر کا معاملہ فرما دے۔

"وَ اغْفِرْ لَنَا" اور ہمیں بخش دے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں استغفار کی کثرت کی تلقین فرمائی ہے۔ مغفرت کیا ہے؟ اللہ ڈھانپ دے، پردے میں رکھ کر، پوشیدہ رکھ کر معاف فرما دے، نہ ظاہر کرے نہ مؤاخذے کا معاملہ ہو "وَ اغْفِرْ لَنَا"۔ اور ہمیں بخش دے۔ "وَ ارْحَمْنَا" اور ہم پر رحم فرما۔ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سب سے بڑھ کر محتاج ہیں۔ الرّحمٰن الرّحیم اس کی بڑی عظیم صفات ہیں اور وہ (ارحم الرّٰحمین) یہ دعائیں ہمیں سکھا رہا ہے۔ (اَنْتَ مَوْلٰىنَا) اے اللہ تو ہمارا مولیٰ ہے،

کارساز ہے، پشت پناہ ہے۔

﴿فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ پس کافروں کی قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔صحابہ کرامؓ نے یہ دُعائیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سیکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگی ہیں۔لہٰذا اللہ کی مدد ان کے شاملِ حال رہی۔ہم یہ دعائیں مانگنے والے بھی تو ہوں، ہم لوگ آج مانگ رہے ہیں لیکن اس کے مستحق بھی تو بنیں! اللہ کی نافرمانیاں ہوں، اللہ کے احکامات کو توڑا جائے، اللہ کی شریعت کو پامال کیا جارہا ہو، اللہ کو ناراض کیا جائے، تو پھر ہم یہ دعائیں کس طرح مانگ رہے ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے معاملات کو بھی سیدھا رکھا جائے اور اللہ سے معافی اور مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ مدد بھی فرمائے گا اور کفار کے مقابلے پر غلبہ بھی عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے حق میں ان دعاؤں کو قبول فرمائے، اللہ ہم سب کو معاف فرمائے، ہماری مغفرت فرمائے، ہم پر رحمتیں نازل فرمائے اور کُفّار کی قوم کے مقابلے میں اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد اور نُصرت فرمائے۔

آمین - یارب العالمین!

تنظیمِ اسلامی

دارالاسلام، مرکز تنظیم اسلامی ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔53800
فون:78-35473375 (042)
ای میل:markaz@tanzeem.org
www.tanzeem.org

مراکز حلقہ جات

	فون	موبائل	ای میل
مالاکنڈ	0345-9535853	0343-0912306	timergara@tanzeem.org
پشاور	091-2262902	0334-8937739	peshawar@tanzeem.org
اسلام آباد	051-2340147	0302-5089782	islamabad@tanzeem.org
راولپنڈی	051-4866055	0333-5127663	rawalpindi@tanzeem.org
مظفرآباد	0582-2447221	0346-9633369	muzaffarabad@tanzeem.org
گوجرخان	051-4620514	0311-5030220	gujjarkhan@tanzeem.org
گڑھی شاہو لاہور	042-36293939	0321-4152275	lahoreeast@tanzeem.org
سمن آباد لاہور	042-37520902	0300-8435160	lahorewest@tanzeem.org
گوجرانوالہ	0533600937	0334-4600937	gujranwala@tanzeem.org
سرگودھا	0300-9603045	0300-9603577	sargodha@tanzeem.org
فیصل آباد	0418732325	0300-7914988	faisalabad@tanzeem.org
ساہیوال ڈویژن	0457-830884	0300-0971784	sahiwal@tanzeem.org
بہاولنگر	0333-6305730	0346-7557711	bahawalnagar@tanzeem.org
ملتان	061-6520451	0321-6303691	multan@tanzeem.org
سکھر	071-5807281	0345-5255100	sukkur@tanzeem.org
حیدرآباد	022-2106187	0333-2608043	hyderabad@tanzeem.org
یاسین آباد کراچی	021-36823201	0321-8110205	karachinorth@tanzeem.org
گلشن اقبال کراچی	021-34816581	0321-9261317	karachicentral@tanzeem.org
سوسائٹی کراچی	021-34306041	0300-2435625	karachisouth@tanzeem.org
کوئٹہ	081-2842969	0346-8300216	quetta@tanzeem.org